رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ؕ

رسول پکارا:

اے رب! میری قوم نے تیری اس کتاب کو مسترد کر دیا تھا۔ (الفرقان)

تفسیر

منسوخ القرآن

قرآن میں ناسخ و منسوخ آیات کے مسئلہ پر انقلاب آفریں تحقیق

یعنی

امام انقلاب شاہ **ولی اللہ** دہلوی کے اصول و نظریات کی روشنی میں **قرآن محکم** کے سینکڑوں بین فیصلوں

کی تفاصیل اور تجزیہ جنہیں فقہاء و محدثین نے اپنے **گروہی شعور** کے خلاف پاکر منسوخ و مسترد قرار دے دیا تھا۔

زوال امت کی جوہری تشخیص کے سلسلے میں انسانی جہد کا لازوال شاہکار

رحمت اللہ طارق

دوست ایسوسی ایٹس

پبلشرز بک سیلرز اینڈ جنرل آرڈر سپلائرز

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

Phone : 7122981 Fax : 092-42-7122981

email:shahid.adil@usa.net

01-99-500-02-450-11

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

1999ء

محمد شاہد عادل نے

افضل شریف پرنٹرز سے چھپوا کر

دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار، لاہور

سے شائع کی۔

قیمت -/450

انتساب

محمد رسول اللہ

حاملِ قرآن اور کامل ترین انسان کے نام

جنہوں نے

قرآن جیسی موہبت کبریٰ کو کمال حفاظت اور کمال عصمت کے ساتھ انسان تک پہنچایا تاکہ انسان رہتی دنیا تک اس سرچشمۂ ہدایت سے فیض یاب ہو سکیں ۔

جنہوں نے قرآن کے کامل اور غیر مبدل ہونے کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا

مایکون لی ان ابدلہٗ من تلقائ نفسی "میری یہ مجال نہیں کہ میں اپنی جانب سے اس (قرآن) میں ردّوبدل کر سکوں" (یونس: ۱۵)

جنہوں نے قرآن کو ناقابلِ تنسیخ اور تغیر و تبدل سے ماورا، حالت میں امّت کے سپرد فرمایا ۔ (ہود ۱۰)

جنہوں نے قرآن کی روشن تعلیمات کے ذریعے دنیا کے تمام افکارِ باطلہ کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا اور ہر قسم کے مذہبی استحصال کا خاتمہ فرما کر انسانیت کو راہِ راست حق شناسی کی راہ سے آشنا فرمایا

جنہوں نے قرآن کو بہ کمال امانت و بہ تمام صداقت امت تک پہنچا کر قرآن کی زبان میں صاف صاف بتا دیا کہ جو شخص اس صریح ہدایت اور واضح حقیقت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے ۔
(مائدہ ۴۷)

جنہوں نے قرآن کی عظمت اور رفعت بیان کرتے ہوئے فرمایا : ان اللہ یرفع بھذا القرآن اقواماً ویضع بہ آخرین "اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت بلندیوں پر لے جاتے ہیں اور قرآن سے انحراف کی بدولت قوموں کو پستیوں میں دھکیل دیتے ہیں"۔ (صحیح مسلم)

صلی اللہ علیہ وسلم

رحمت اللہ خان طارق

23 مارچ 1956ء مکہ المکرمہ میں لی گئی تصویر
جب منسوخ القرآن کے سفر کا آغاز ہو رہا تھا

خوانندگانِ محترم!

فکرِ انسانی ارتقاء پذیر ہے وہ ہر مرحلے پر نئی آب و تاب اور نئے رنگ روپ کے ساتھ نمودار ہوتی رہے گی۔ صرف انبیاء کی فکر میں ارتقاء نہیں ہوتا کہ ان کی فکر مشق و تمرین کے مراحل سے گزرے بغیر ہی مرتقٰی اور توانا ہوتی ہے۔

قرآنِ پاک کے بارے میں بارہا اس حقیقت کبریٰ کا اظہار کیا گیا ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس کے حقائق منکشف اور صداقتیں عیاں ہوتی چلی جائیں گی۔ یعنی فکرِ انسانی ارتقاء کے جن مراحل سے گزرے گی اس پر حقیقتِ قرآن واضح ہوتی چلی جائے گی۔ تقلید و ظلمت کے دبیز پردے جو صدیوں سے وحی رسالت کے روشن چہرے پر آویزاں تھے فکری ارتقاء نے انہیں چاک کر دیا ہے۔ اب ہماری کم نصیبی ہو گی کہ روشن حقائق کی نفی کرنے کی پرانی عادت پر جمے رہیں اور قرآنِ پاک سے رہنمائی حاصل کرنے کو عصرِ نو میں بھی لا یعنی اور فضول سمجھیں۔ کتابِ ھٰذا قرآنِ پاک کی ان ہی صداقتوں کے تعارف پر مشتمل ہے جو عرصہ دراز سے مصلحتاً یا جانبدارانہ شعور کے غالب آنے کی وجہ سے دبا دی گئی تھیں۔

قرآن حقیقتوں کو بڑے لوگوں کی شخصیتوں میں مرکوز نہیں کرتا۔ اسے وہ شخصیت پا پاپائیت اور اسی طرح کے دیگر مکروہ ناموں سے تعبیر کر کے انسانوں سے غور و فکر اور دلیل و منطق سے کام لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ آپ اگر قرآن کا یہ مطالبہ پورا کرتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی فکری استعداد اس قابل ہو چکی ہے کہ اس کی صداقتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے

اس کتاب میں پہلی بار منسوخ آیات کے تفصیلی جائزے پیش کئے گئے ہیں۔ اس میں "نسخ فی القرآن" کا ہر زاویہ سے تجزیہ کیا گیا ہے — تفسیری زاویہ سے — حدیثی زاویہ سے — فقہی زاویہ سے — عقلی زاویہ سے — تاریخی اور شخصیاتی زاویہ سے — غرضیکہ آپ کا ذوق جس بات کی اجازت دے سکتا ہے اس زاویہ سے ہر متعلقہ منسوخ کو اس کے مالہٗ و ماعلیہ کے ساتھ اپنے مقام پر مکمل طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح شاید آپ ناگزیر طوالت سے اکتا جائیں لیکن اسے سمجھنے اور مطالعہ کرنے کی آسان صورت یہ ہے کہ آپ جس زاویئے کو اپنی ذہنی سطح اور پسند کے ہم آہنگ پائیں اسی ہی زاویہ سے بحث کا جائزہ لے لیں۔ باقی کو فارغ اوقات پر اٹھا رکھیں۔ مثلاً منسوخ ۱۲ کو آپ اگر تفسیری زاویہ سے مطالعہ کرنا چاہیں تو ناسخ ۱ کے جوابات کو (ص ۱۴۷ تا ص ۱۵۷) مطالعہ کرنا کافی ہو گا اور اگر فقہی اور عقلی زاویہ سے دیکھنا چاہیں تو ناسخ ۳ و ۴ کے مباحث کا مطالعہ (ص ۱۵۷ تا ص ۱۶۲) کفایت کر جائے گا۔ اور اگر آپ حدیثی، تاریخی اور شخصیاتی زاویہ سے بحث کو مکمل طور پر معلوم کرنا چاہیں تو ناسخ ۲ کے مباحث (ص ۱۶۲ تا ص ۱۹۹ یا کم از کم ص ۱۸۳ تک) کے لئے وقت صرف کیجئے گا۔

اسی طرح دوسرے باب میں سخنہائے گفتنی (صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۹) کا مطالعہ آپ کی گہری توجہ کا محتاج ہے کہ اس میں بھی بہت سی دیگر باتوں کے علاوہ پہلے باب کے حرف آغاز کی طرح ناسخ و منسوخ کو سمجھنے کی ہدایات کو مکرر واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ کو ان مسائل کی تفاصیل کا سامنا کرنا ہوگا جو صدیوں سے منسوخ اور متروک کیے جاتے ہیں۔ اس باب میں تفصیلی مباحث ہیں تاریخ، عمرانی، علمی، تاریخی، فقہی، قانونی اور عصری مسائل کا حل پیش کرتے وقت ہر سطح ذہن کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ (جیسے کہ پہلے اشارہ کر چکا ہوں)۔ تاہم اگر آپ چاہیں تو عربی کے طویل اقتباسات کے صرف تراجم پر اکتفا کر سکتے ہیں اور ایسے اعتماد سے کر سکتے ہیں بس اتنا ضرور کیجیے کہ ہر بحث کے ایک مستقل عنوان "وجہ تنسیخ" کو پوری توجہ سے مطالعہ کیجیے کہ اس کے بغیر آپ شاید گوہر مقصود حاصل نہ کر سکیں اور ناسخ و منسوخ کے مابین جو بسا اوقات غیر مرئی حد فاصل ہے اسے سمجھنے سے قاصر رہ جائیں۔

اس باب کے بعض مضامین آپ کی منشا کے مطابق جیٹ بیٹے اور دھماکہ خیز نہیں ہوں گے اور آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اس موضوع کے تمام مواد کی تفصیل فراہم کرنے کی بجائے یکبارگی نشاندہی کفایت کر سکتی تھی وغیرہ[1]۔ جی ہاں! یہ درست ہے اور یقیناً یہ حصہ آپ کے لئے جاذب توجہ نہ ہو سکے گا۔ لیکن اس میں میرے اختیار سے زیادہ میری مجبوری کو دخل ہے، کہ میں نے جو ن سی بھی آیت قرآنی پر نسخ کا اطلاق کیا گیا تھا اسے مع تعارف پیش کر دیا ہے۔ لیکن اس میں بھی آپ کے ذوق پر گراں گزرنے والی کسی بات کو شامل نہیں کیا گیا۔ عناوین کے تنوع اور مقاصد کی بوقلمونی سے آپ محسوس کریں گے کہ مکررات اور بار بار دہرائے جانے والے مضامین کو کتنی روانی سبک کلامی سے پیش کیا گیا ہے[2]؟

آخر میں یہ وضاحت بے جا نہ ہوگی کہ مسائل اور احکام کی تفاصیل میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے جس ترتیب سے قرآن پاک میں ان کا مذکور ہوا ہے۔ لیکن قارئین کی سہولت کے لئے مضامین کی فہرست میں مذکورہ بالا ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی بلکہ موضوع وار تفصیل دی گئی ہے تاکہ آپ ہر موضوع سے وابستہ یا اس سے مناسبت رکھنے والے مواد کو ایک ہی سلسلۂ مقاصد کی ذیل میں مطالعہ کر سکیں۔

امید ہے کہ مطالعہ کا یہ طریقہ آپ کے لئے بار خاطر نہ ہوگا اور اس طرح آپ موضوع وار تمام مضامین کو یکجا مطالعہ کر کے مختلف سم موضوع منسوخات کی تلاش کی زحمت سے بچ سکیں گے

رحمت اللہ طارق
17 9/73

---

[1] و [2]: جیسے موضوع وار عنوان "اصولوں کا احترام"، "نفسیات پیغمبر" اور "آیہ سیف کی زد میں آنے والی آیات کی تفاصیل"۔ طارق

فہرست مضامین باب اوّل

حرفِ آغاز	۱
گروہی اساس پر قرآن کا نسخ	۴
ضروری وضاحت	۵
فصلِ اوّل	
آیۂ ما ننسخ ۔ ناسخین قرآن کی پہلی دلیل	۷
نحوی تحلیل	۸
مفسرین کا انحراف	۹
شانِ نزول کا سہارا	۹
کون معترض ؟	۱۰
رکاکتیں ہی رکاکتیں	۱۰
صحیح تعبیر	۱۱
صحیح تفسیر ایک اور زاویہ سے	۱۲
خرافیانہ تفسیر کا ایک نمونہ	۱۳
تحلیل	۱۴
امام طبری کی رائے	۱۴
خرافیانہ ایک اور روایت	۱۶
قرآن سراپا خیر ہے	۱۹
ناسخین قرآن کی دوسری قرآنی دلیل ۔ واذا بدلنا	
آیۃ مکان آیۃ	۱۹
سنت اللہ	۲۰
ایک مثال	۲۰
شانِ نزول	۲۱
پانچ مزید شانہائے نزول	۲۱
قرطبی کی خیال آفرینی	۲۱
نگہ بازگشت	۲۵
فصلِ دوم	
ناسخین قرآن کے دیگر دلائل	۲۷
جائزہ ۱	۲۸
نسخ کا طاعون	۲۹
جائزہ ۲	۳۰
جائزہ ۳	۳۱
جائزہ ۴	۳۱
خدا غیر مسئول ہے کی مضحکہ خیز تشریح	۳۲
جائزہ	۳۳
قرآن کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں	۳۴
جائزہ	۳۵
قرآن کا کچھ حصہ باطل کی نذر	۳۵
ایک اور شگوفہ	۳۷
عقیدہ نسخ کب اور کیوں ظہور پذیر ہوا ؟	۳۸
فصلِ سوم	
معتزلہ کے دلائل	۴۰
دوسری دلیل	۴۰
خدا جاہل نہیں ہو سکتا ۔ تیسری دلیل	۴۱
ناسخ و منسوخ فنی تشریح اور اس پر تبصرہ	۴۲
حکم شریعت کسے کہتے ہیں ؟ اور تبصرہ	۴۲
فصلِ چہارم	
منسوخ کی قسمیں	۴۴
منسوخ باعتبار تلاوت اور حکم کے	۴۴
تبصرہ	۴۵
منسوخ باعتبار تلاوت کے	۴۵

تبصرہ	۴۵
قراءت بسم	۴۶
حضرت عمرؓ کا خطبہ	۴۷
فاروق اعظمؓ کی دوسری روایت	۴۹
جائزہ	۵۰
خلیفۂ ثانی آیۂ بسم کو وحی قرآنی ثابت نہ کر سکے	۵۰
بسم کی قرآنیت سے رسول اللہ کا انکار	۵۲
جائزہ	۵۳
عمرؓ کے مطالبے پر رسول اللہؐ کا شدید انکار	۵۴
امام ابن حزم کا اعتراف	۵۴
امام نقلی کا انکار۔ اور بدرالدین زرکشی کی جرح —	
باقلانی کی فیصلہ کن تنقید	۵۵
شگوفۂ سیوطی	۵۶
جائزہ	۵۶
اصل راز کیا ہے؟	۵۷
کتاب اللہ سے کیا مراد ہے؟	۵۸
ابن حجر	۵۹
ایک اور گواہ	۶۰
منسوخ التلاوۃ اور اسلاف	۶۰
منسوخ باعتبار حکم کے	۶۱
جائزہ	۶۱
فصل پنجم	
قرآن حکیم اور نسخ بالسنۃ	۶۳
امام شافعیؒ دفاع قرآن میں	۶۴
امام احمد کا کلمۂ حق	۶۵
ابوالفرج مالکی۔ قاضی ابوالطیب متقدمین کی ایک جماعت	۶۵
آمدی اور اہل ظاہر کی اکثریت	۶۶
امام شافعی اپنی زبانی	۶۶
عقیدۂ شافعیؒ تحریف کی نذر	۶۷
صدر الشریعۃ کی گواہی	۶۸
ایک اور تحریف	۶۹
نسخ کی روایات اور شافعی نقطہ نظر	۷۰
جائزہ	۷۰
فصل ششم	۷۱
کیا قرآن کو اجماع منسوخ کر سکتا ہے؟	۷۱
تجزیہ	۷۱
خطیب بغدادی	۷۳
اجماع امت فناری اور تفتازانی کی نظر میں	۷۴
ابن حزم اور بعض مالکیہ	۷۶
تبصرہ	۷۷
فصل ہفتم	
قیاس کے ذریعہ کتاب اللہ کا نسخ	۷۷
جائزہ	۷۷
فصل ہشتم	
منسوخ کی چھ قسمیں	۷۸
قسم اول۔ قسم دوم۔ قسم سوم قسم چہارم۔ قسم پنجم۔ قسم ششم	۷۸ تا ۸۰
فصل نہم	
نسخ کے شرائط اور دیگر مباحث	۸۰
پہلی شرط	۸۰
دوسری شرط	۸۰
تیسری شرط	۸۱
چوتھی شرط	۸۱
پانچویں شرط	۸۱

چھٹی شرط	۸۲
ساتویں شرط	۸۳
آٹھویں شرط	۸۳
نسخ، تخصیص اور استثناء میں فرق	۸۴
مزید فرق، جائزہ	۸۵
نسخ مناسب ہے یا تخصیص؟	۸۶
نسخ الناسخ	۸۶
انواع خطاب	۸۷
فصل دہم	
منسوخ کی تعداد اور گمشدہ آیات	۸۹
تبصرہ	۸۹
جرح	۹۰
ایک اور سند	۹۱
تبصرہ	۹۱
ایک کامل سورت ہی غائب	۹۲
ایک ضروری آیت کا نسخ	۹۲
جائزہ	۹۳
کچھ اور سورتیں	۹۴
گمشدہ آیات کا مجموعی میزانیہ	۹۵
ترتیب نزول	۹۶
مکی سورتیں	۹۷
مدنی سورتیں	۹۷
ناسخ و منسوخ کے موضوع پر تصانیف	۹۷ تا ۹۹

فہرست مضامین — باب دوم

نمبر شمار	عنوان	منسوخ نمبر	صفحہ
١	سخنہائے گفتنی		١٠٣
	معاشیات اسلام		
٢	انفاق اور زائد مال خرچ کرنے کا قانون (ضمنی مباحث : عام تفسیری زاویہ سے ۔ رجال کے محاذ پہ ۔ جرح اور حاکم کی توثیق ۔)	١	١١٠
٣	والدین اور اقرباء کے حق میں "قانون وصیت" کا اجراء اور زر شکنی کا ناقابل تنسیخ آرڈر (ضمنی مباحث : قانون وصیت کا جبری اجراء ۔ دس علمائے اسلام کے فیصلے ۔ اجماع امت ۔ قیاس ۔ قیاسات کا عنکبوتی محل ۔ قیاس کا مفعول ۔ حدیث لاوصیۃ ۔ قاری کا اعتراف ۔ رازی کی جوڑمیں ۔ امت کی پذیرائی ۔ ابن حجر کا اعتراف اور پریشانیاں ۔ پریشانی کی اصل وجہ ۔ امام بخاری میدان وغا میں ۔ اقرار بھی ہے انکار بھی ہے ۔ قاری کا تبصرہ ۔ ضعیف ہی ضعیف ۔ کون کسے عطاء ؟ ۔ تواتر کس چیز کا ؟ راویوں کی جانبدارانہ شعور سے توثیق ۔ گواہ اول ۔ گواہ دوم ۔ یہ حدیث واضح مفہوم نہیں رکھتی ۔ شامیوں کی مشہور سند پر جرح ۔ احمد شاکر کا اضطراب ۔ متابعت کا حربہ ۔ غیر محب زلیوں کا اعتبار ۔ مزید تجسس اسانید کی تفاصیل اور جائزے ۔ تنکے کا سہارا اور صفریں ہی صفریں ۔	١٢	١٤٦
٤	زائد پہ غریب والدین نادار اور دیگر مستحقین کا حق (مباحث : انفاق اور میراث میں فرق ۔ اور دھوکہ کیسے لگا ؟)	١٩	٢١٩
٥	فاضل دولت کا مالک کون ؟ (مباحث : زر شکنی اسلام کا اساسی مقصد ہے ۔ استحصالی ہتھکنڈا ۔ عفو کے سامراجی معنے ۔ عفو کے حقیقی مفہوم ۔ ابو عبید اور کسائی کی شہادت ۔ زائد کسے کہتے ہیں ؟ اور وہ بھی یہی کہتے ہیں مگر ...)	٢٢	٢٢٧
٦	سرمایہ شکنی کے لئے میت کے ترکے میں سے غیر وارثوں کا لازمی حصہ (ضمنی مباحث بنائے فساد وغیرہ)	٤٥	٣١١
٧	ناداری کی علت کے باعث قانون وراثت میں ترمیم (ضمنی مباحث : وراثت کا نیا قانون ۔ وحی الٰہی سے ٹکر ۔ مولانا کی کٹ حجتی ۔ فقہی زاویہ سے ۔ اور تقسیم کی الجھن وغیرہ ۔)	٦١	٣٧٧
٨	ضرورت پڑنے پر زائد مال سٹیٹ کی ملکیت بن جاتا ہے ۔ (ضمنی مباحث : العفو کے معانی ایک اور زاویہ سے اور قول فیصل ۔)	١٠٩	٤٨٩
٩	ہجرت کا صلہ اور اسلامی سوشلزم کا حجر اساسی (ضمنی مباحث : ضابطۂ اولوالارحام قطعی نہیں ہے وغیرہ)	١١٦-١١٧	٥٢٤
١٠	دولت کے اکتناز اور غلہ کے احتکار پہ عذاب الیم (ضمنی بحث : ذخیرہ اندوز کو مار ڈالنے پہ قصاص نہیں ہے)	١٢١	٥٣٧
١١	معاشی کفالت کیلئے غریبی اور ہجرت ۔ قانون وراثت میں تبدیلی لاسکتے ہیں (مع مباحث)	٢٠٨	٦٩٣
١٢	محنت کا معاوضہ (ملاحظہ ہو ضمنی بحث منسوخ ٢٦٥)	٢٦٥	٧٩٩

نمبر شمار	عنوان	ملفوظ نمبر	صفحہ
۱۳	اسلام کا نظام معیشت (ایک اہم مقالہ)	۲۵۹	۸۱۵
۱۴	سرحدی مسلمانوں کے بارے میں مسلم سیٹ کی ایک اہم ذمہ داری (دشمن کے قبضہ میں رہ جانے والی مسلم عورتوں کے شوہروں کو معاوضہ دینے کا مسئلہ وغیرہ)	۲۷۲	۸۲۱
۱۵	مالی واجبات (مع ضمنی بحث)	۲۷۵	۸۲۶
۱۶	غربت و ناداری کا اسلامی حل (ضمنی بحث: یہ حکم عام ہے)	۲۸۲ ۲۸۳	۸۳۲
	عقائد اسلام		
۱۷	وحدت ادیان اور اہل کتاب کے ایمان کی حقیقت (ضمنی بحث: "دین کسے کہتے ہیں"، اور "وحدت ادیان"۔)	۲	۱۱۵
۱۸	اعمال کا نتیجہ نیتوں اور مقاصد کی اساس پر مترتب ہوتا ہے	۸	۱۳۱
۱۹	اخلاقی ضابطوں کو جبری طور پہ نافذ کرنا (ضمنی بحث: "ایمان کی نفسیات"، فقیہانِ شہر کیا کہتے ہیں؟ اور ابن کثیر)	۲۹	۲۶۱
۲۰	گرفت عمل پہ ہونی چاہیے یا ارادے پہ؟ (ضمنی بحث: محاسبے و عتاب میں فرق)	۳۱	۲۶۹
۲۱	مخالف کا دل چاہیے یا کاسۂ سر؟	۳۲	۲۷۴
۲۲	شرپسندوں سے مقابلہ کی تاب ہو تو دفع الوقتی کس طرح کرنی چاہیے؟ (تقیہ کے احکام) (ضمنی بحث: شرپسند مسلمانوں سے بھی بچنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات۔ تقیہ دل سے یا زبان سے؟۔ خوارج کا مسلک اور انکار کی وجہ)	۳۳	۲۷۶
۲۳	انسان کے ارادے اور خدا کی مشیت میں تصادم — اور — دنیوی زندگی میں محرومی و نامحرومی کی آویزش (ضمنی بحث: "ارادوں میں یکسانیت ضروری نہیں ہے۔")	۴۱	۲۹۲
۲۴	صبر کا مروجہ مفہوم اسلام کی اساسی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مسلم سوسائٹی کو مضمحل اور اجل رسیدہ بنانے کی سازش۔ (ضمنیات: قفال معتزلی کا تعاقب۔ بگاڑ کہاں سے پیدا ہوا؟ لغت کی شہادت، قرآن کی اپنی زبان اور — مزید بگاڑ)	۴۲	۲۹۶
۲۵	جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (ضمنی بحث: "قاعدہ")	۵۲	۳۴۹
۲۶	فاسقوں اور بدعملوں کے حق میں طلب مغفرت کا مسئلہ	۶۴	۳۹۵
۲۷	کفار کے حق میں طلب مغفرت (ایک ضروری کلامی بحث)	۲۲۹	۷۵۳
۲۸	کیا نبی اکرم کو معصیت کا ڈر تھا؟ (کلامی مباحث)	۹۰ ۲۲۷	۴۵۳ ۴۴۵

۲۹	رسول اللہ کے طفیل "اللہ" کا درگذر کرنا	۱۱۲	۵۰۳
۳۰	کافروں کے لئے رحم کی اپیل	۱۲۰	۵۵۳
۳۱	ہر کوئی اپنے ہی عمل کا ذمہ دار ہے	۱۳۲	۵۶۱
۳۲	آخرت پہ دنیا کو ترجیح دینا	۱۳۸	۵۶۹
۳۳	موت کی تمنا کی شرعی حیثیت	۱۴۱	۵۷۲
۳۴	شرک اور معافی؟ (ضمنیات: یہ آیت بخشش کا فلسفہ واضح کرتی ہے اور نبوی تفسیر)	۱۴۲ / ۲۲۸	۵۷۳ / ۷۳۲
۳۵	کفار کی روزی بند نہ کرنے کا فلسفہ (ایک ضروری بحث)	۱۴۴	۵۷۷
۳۶	لوگوں کے مال و دولت اور دنیاوی ساز و سامان پر رشک کرنا۔	۱۴۷	۵۸۳
۳۷	قرآن کے مطالب معانی میں دست اندازی کی سزا	۱۴۹	۵۸۶
۳۸	مجبوری اور اضطرار کا کفر	۱۵۲	۵۹۵
۳۹	فتوے کے زور پر جہنم واصل کرنا کیسا ہے؟	۱۵۷	۶۰۳
۴۰	انسان کی طرف مشیت کا مسئلہ	۱۵۹	۶۰۷
۴۱	بے نمازی قطعی جہنمی ہیں؟	۱۶۱	۶۱۰
۴۲	جہنم کا داخلہ عام نہیں ہوگا۔	۱۶۲	۶۱۲
۴۳	بددعا، جادو اور ٹونے سے دشمن کو فتح کرنا۔ (ضمنی بحث: قانون قدرت کو توڑنے کی کوشش)	۱۶۶	۶۱۸
۴۴	دوزخ میں انبیاء کا داخلہ (ایک کلامی مسئلہ)	۱۷۰ / ۱۷۲ ع	۶۲۳
۴۵	کیا پیغمبر شیطان کی دست اندازی سے محفوظ نہیں تھے؟ (ضمنیات: شانِ نزول۔ تمنی تمنا کی۔ قول فیصل۔ راہ کی ٹھوکریں۔ فرمودات رازی۔ القرآن السنۃ اور عصمتِ نبی (منسوخ ۱۲۵ ملاکر پڑھئے۔ ط)	۱۷۹	۶۲۹
۴۶	قاتلوں کی نجات ناممکن ہے۔	۱۹۷	۶۸۰
۴۷	معجزہ جزو نبوت نہیں ہے۔	۲۰۲	۶۹۰
۴۸	معجزے کا مطالبہ کسی تکمیل کا محتاج نہیں ہے۔	۲۰۵	۶۹۱
۴۹	رسول اللہ کو اپنی نجات کا یقین نہیں تھا؟ (ضمنیات: قول فیصل ناسخ آیت کا پڑھا اور برکات الٰہی)	۲۵۳	۷۶۹
۵۰	مسئلہ شفاعت کفارہ۔ نابالغ اولاد کی بدولت نجات، موروثی اسلام اور محنت کا معاوضہ (ضمنیات: دھوکہ کہاں سے لگا؟ توجیہات رازی۔ ایصالِ ثواب کا رد اور محنت کا معاوضہ)	۲۶۵	۷۹۴
۵۱	قرآن کی ایک ناگوار آیت! (ضمنیات: ناگوار کیسی؟۔ سازش کے عناصر)	۲۶۷	۸۰۱

نمبر شمار	عنوان	مسلسل نمبر	صفحہ
۵۲	رسول اللہ سے علیحدہ ملنے کا نذرانہ۔ ایک ناگوار و ناقابل عمل آیت (ضمنیات: قول فیصل۔ خاص حکم، مولانا ثناء اللہ کی رائے۔ معتزلہ کے نقطہ نظر سے۔ ناسخین کا مأخذ۔ تفاسیر علی کی علمی حیثیت۔ جائزہ۔ اس روایت کی سندیں اور حضرت علی کی دوسری روایت کی سندیں بمع جرح و تنقید۔)	۲۶۸	۸۰۶
۵۳	عورتوں سے بیعت لینا کیسا ہے؟	۲۷۴	۸۲۳
۵۴	رسول اللہ کے نسیان کا مسئلہ	۳۰۷	۸۵۵
۵۵	رسول اللہ وحی کو فراموش کر دیتے تھے؟	۲۹۷	۸۴۵

اصولِ سیاست

نمبر شمار	عنوان	مسلسل نمبر	صفحہ
۵۶	تبلیغ رسالت کا معاوضہ۔ یا۔ خاندان پرستی کی تعلیم؟ (ضروری بحث: قربیٰ کے معنے)	۲۴۳	۷۵۹
۵۷	جزیرۃ العرب سے مشرکین کا اخراج (بمع ضروری بحث)	۱۱۸	۵۲۹
۵۸	جنگی قیدیوں کے قتل کرنے اور غلام بنانے کا مسئلہ (ضمنیات: قول فیصل۔ المشرکین کی تحقیق۔ آیۂ استرقاق و دیگر علمی بحث)	۲۵۵	۷۷۴
۵۹	سوشل بائیکاٹ ان ہی کفار سے ہے جو لڑتے رہے ہوں	۲۷۰/۲۷۱	۸۱۶

فنونِ لطیفہ

نمبر شمار	عنوان	مسلسل نمبر	صفحہ
۶۰	شاعروں کی بے راہ روی (ضمنیات: قول فیصل، ضابطۂ نحو کا غلط اطلاق اور بوگس شان نزول)	۱۹۸	۶۸۱
۶۱	صورتگری مجسمہ سازی اور فوٹوگرافی: (ضمنیات: قول فیصل۔ صورت گری کے اثباتی دلائل۔ بنت صدیق کا مجسماتی نقش۔ اس حدیث پر پہلا اعتراض۔ عائشہ کی خیالی تصویر دوسرا اعتراض۔ بار بار تصویر بنانی کا فلسفہ۔ صدیقہ شادی کے وقت جوان تھیں (ضمناً حاشیہ میں عمر عائشہ کی نفیس بحث)۔ حضرت عروہ کا نگار خانہ۔ قاسم بن محمد کا ذوق جمال۔ تصاویر سے عائشہ کی دلچسپی۔ خلیفہ عبداللہ بن زبیر۔ صحابہ اور تابعین کا اجماع۔ نبی علیہ السلام نے تصویری انعام دیا۔ خاتم نبوت میں شیر کی تصویر۔ عہد نبوی کے تصویری سکے۔ ہرقلی دینار کیسا تھا؟ نبوی عہد میں استعمال ہونے والے تصویری دینار کا عکس اور قدیم ترین اسلامی دینار۔	۲۱۳	۷۰۹

تعزیراتِ اسلام

نمبر شمار	عنوان	مسلسل نمبر	صفحہ
۶۲	جرم و سزا میں حسب و نسب اور مذہب کا امتیاز (ضمنیات: قصاص کے معنے اور اسلام یا سیکولرازم؟)	۱۱	۱۳۸
۶۳	بد چلنی اور لواطت کی سزا (ضمنیات: مغالطہ کیسے لگا۔ دلائل کیا رہنمائی کرتے ہیں؟ ضرب کلیم۔ تائید مزید، ایک دروازہ ہے۔ لهن سبیلا کی قانونی حیثیت۔ اللہ کی صفات نسخ کی نفی کرتی ہیں۔ اجماع کیسا؟ راوی کس معیار کے تھے؟ فقہی تجزیہ۔ دوسرے حصے کا تجزیہ۔ لواطت کے لئے سزائے موت؟ یہ حدیث وضعی ہے۔ ابو ہریرہ کی سند ایک اور ناکارہ سند۔ تعزیر کا مقصد اصلاح ہے انتقام نہیں ہے۔ گناہ کی نوعیت خود ہی تعزیر کا پیمانہ مقرر کرتی ہے، کیا تم دل سے تسلیم کرتے ہو؟	۵۰/۵۱	۳۲۸

۶۴	قتلِ مرتد (ایک نفیس بحث)	۷۱	۴۰۶
۶۵	غیر جانبداروں کا قتل کرنا کیسا ہے؟	۷۲	۴۰۸
۶۶	غلط فہمی سے مسلمانوں کو مار ڈالنے کی سزا	۷۳	۴۰۹
۶۷	خیانت کی سزا	۸۱	۴۲۲
۶۸	رہزنی اور بغاوت کی سزا	۸۲	۴۲۳
۶۹	شراب نوشی کی سزا قتل؟ (مع ضمنی بحث)	۸۴	۴۲۴
۷۰	افترا پردازی کی سزا	۱۰۲	۴۷۰
۷۱	فصل کاٹنے کی سزا	۱۰۳	۴۷۱
۷۲	مویشیوں کے نقصان کرنے پر جرمانہ (ضمنیات: قرآن کی وضاحت۔ اور "العجما" کی تاویل۔)	۱۶۹	۶۲۱
۷۳	زنا کی سزا (ضمنیات: منکرین نسخ کے دلائل۔ ناسخین قرآن کے اعتراضات۔ مزید وضاحت۔ مصنف کا تعاقب۔ تواتر کا بہانہ۔ مصلحت کی آڑ۔ سیاسی رجم۔ زندگی اور موت کا فرق۔ ابن جریج کی غلط بیانی۔ شادی شدہ کو سزائے موت۔ سنگساری کے شوق میں زوجۂ رسول پر تہمت اور سنگساری غیر فطری سزا ہے۔)	۱۸۴	۶۴۲
۷۴	ذریعۂ معاش دیوثی۔ اور مشرک عورتوں سے زنا۔ (ضمنیات: قول فیصل۔ الایامیٰ کی تشریح۔ پس منظر۔ دیوثی اور حرام روزی۔ مشرک عورتوں سے نکاح اور اہل اسلام کی فکر انگیز تشریح۔)	۱۸۵	۶۵۵
۷۵	رجم (ضمنیات: تبصرہ۔ رجم کا پس منظر اور ماخذ۔ فنی اعتراضات۔ بندر یا جن؟ بخاری میں غیر مستند مواد کی واضح مثال۔ ابن حجر بخاری کے دفاع میں اور تجزیہ۔ (نوٹ: اس بحث کو سمجھنے کے لئے چوتھی فصل کا مطالعہ ضروری ہے۔ طارق)	۲۱۲	۷۰۲
۷۶	زنا کی تہمت لگانے والے کی سزا (ایک ضروری بحث)	۱۸۶	۶۰۶
۷۷	گھوڑوں کی گردنیں کاٹنا۔ ایک افسانہ۔ (علمی بحث)	۲۲۲	۷۳۸
۷۸	قسم توڑنے سے بچنے کا طریقہ (فقہی بحث اور نکتے)	۲۲۳	۷۴۱
۷۹	قصاص کا ضابطہ (تفسیات عدل کی قرآنی رہنمائی۔ ط)	۲۴۴ ۲۴۷	۷۶۲
۸۰	مجرموں کی سفارش نہ کرنی چاہئے	۲۶۶	۸۰۰

عدالتی امور اور فیصلے

۸۱	اہل کتاب اور مشرک عورتوں سے نکاح کا مسئلہ (اہم مباحث بصلحت فاروق)	۲۳	۲۳۴
۸۲	قرضے اور امانت کیلئے تحریر کی ضرورت (ضمنیات: ترجیح۔ ترجیح۔ نسخ کیلئے تضاد شرعی اور الزامی جوابات)	۳۰	۲۶۴

نمبر شمار	عنوان	منسوخ نمبر	صفحہ
۸۳	ذمی۔ یا غیر مسلم رعایا کے شہری حقوق	۷۲	۴۱۱
۸۴	پرسنل لا اور غیر مسلم رعایا	۸۳	۴۲۲
۸۵	اسلامی عدالتوں میں غیر مسلموں کی گواہی کا مسئلہ (ضمنیات: متعلق و مقید کے مختلف اسباب۔ "ذوا عدل منکم" کی تشریح۔ ترجیحات پر اعتراض۔ او اخران من غیرکم کی ترجیحات۔ تکرین نسخ۔ وصیت کے بارے میں غیر مسلم کی شہادت اور غیر مسلموں کی آپس کی گواہیاں وغیرہ۔)	۸۶ ۸۹ تا	۴۴۶
۸۶	معاہدہ صلح کی پابندی کرنے والوں کا قتل	۱۲۰	۵۳۶
۸۷	کفار سے ذاتی رنجش ہو تو معاف کر دینے میں بہتری ہے۔	۲۵۲	۷۶۸
۸۸	انتقام لینے کی حدود کیا ہیں؟ (ایک علمی بحث۔)	۲۵۴	۷۷۳
۸۹	مجرموں کی سفارش کرنی چاہئے (قرآن کی مخصوص اور بے رہنمائی۔ ط)	۲۶۶	۸۰۰

عائلی قوانین

نمبر شمار	عنوان	منسوخ نمبر	صفحہ
۹۰	رجعی طلاق کے عدد (ضمنیات: استدراک، حدیث کا کردار، ترجیح کا اصول اور ضرب کلیم)	۲۴	۲۳۹
۹۱	خلع کا معاوضہ (مع مباحث)	۲۵	۲۴۹
۹۲	حق المہر کی واپسی کا مسئلہ	۵۵	۳۵۵
۹۳	دودھ پلانے کی مدت کیا ہونی چاہئے؟	۲۶	۲۵۲
۹۴	مطلوبہ عورت سے براہ راست شادی کا اظہار۔ ایک اہم معاشرتی مسئلہ	۲۷	۲۵۵
۹۵	بیوہ کے حق میں وصیت کا مسئلہ (ضمنیات: ابن حجر، اعتراف و انکار۔ نقطۂ اختلاف، رازی کی حجت)	۲۸	۲۵۶
۹۶	دودھ کے باعث حرام ہونے والے رشتے (ایک منسوخ التلاوت آیت کی بحث)	۵۸	۳۶۱
۹۷	خالہ بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے اور نکاح متعہ کا جواز؟ (مع ضمنی مباحث)	۵۹	۳۶۵
۹۸	لعان کا حکم اور تشریح	۱۸۷	۶۶۳
۹۹	سن رسیدہ عورتوں کیلئے حجاب کے احکام (ایک ضروری بحث)	۱۹۰	۶۶۹
۱۰۰	لڑکیوں کا حق المہر والدین کے تصرف میں (ضمنیات، دیگر راویوں، روایت کا اصل محمت: امام ابو حنیفہ اور سرمایہ کا بدل محنت)	۲۰۰	۶۸۶
۱۰۱	غیر مدخولہ عورت کی مالی امداد	۲۰۹	۶۹۵
۱۰۲	نبی ﷺ جتنی چاہیں اور جس سے چاہیں شادیاں کریں (تعدد ازدواج کے ضمن میں ایک نفیس اخلاقی بحث)	۲۱۱	۶۹۸

۱۰۳	دارالکفر سے نکلی ہوئی مہاجرات کی آزمائش (ایک علمی بحث)	۲۷۲	۸۱۸
۱۰۴	طلاق یافتہ عورتیں بائنہ ہوں یا رجعیہ۔ دوران عدت کی پوزیشن کیا ہے گی ؟ (ضمنی بحث: ابن حزم کی خفگی)	۲۷۶	۸۲۷
	وراثت کے مسائل		
۱۰۵	عورتوں کے ورثے کی مقدار	۴۴	۳۱۰
۱۰۶	والدین اور اقرباء کے حق میں قانون وصیت کا اجراء اور زرشکنی کا ناقابل تنسیخ آرڈر (ضمنیات: قانون وصیت کا جبری اجراء۔ دس علماء اسلام کے فیصلے۔ اجماع امت قیاس قیاسیات کا عنکبوتی محل۔ قیاس کا مفعول۔ حدیث لاوصیۃ لوارث۔ نساری کا اعتراف۔ رازی کی جوہیں۔ امت کی پذیرائی۔ ابن حجر کا اعتراف اور پریشانیاں۔ پریشانی کی اصل وجہ۔ امام بخاری میدان چھوڑ گئے ہیں۔ اقرار بھی ہے انکار بھی ہے۔ نساری کا تبصرہ۔ ضعیف ہی ضعیف، کون سے طرقاً؟ تواتر کس چیز کا؟ راویوں کی جانبدارانہ شعور سے ترتیق۔ گروہ اول۔ گروہ دوم۔ یہ حدیث واضح مفہوم نہیں رکھتی۔ شامیوں کی مشہور سند پر جرح، احمد شاکر کا اضطراب۔ متابعت کا حربہ۔ غیر حجازیوں کا اعتبار۔ مزید اکتیس اسانید کی تفاصیل اور جائزے، تنکے کا سہارا۔ صفر ہی صفر ہیں۔)	۱۳	۱۴۶
۱۰۷	آل رسولؐ اور یتیم پوتے کا ورثہ (ضمنیات: کچھ لوگ کہتے ہیں۔ قانون حجب غیر سائنسی ہے وغیرہ)	۴۸	۳۱۸
۱۰۸	والدہ کا حصہ (ایک علمی بحث)	۴۹	۳۲۶
۱۰۹	سرمایہ شکنی کے لیے میت کے ترکے میں سے غیر وارثوں کا لازمی حصہ! (ضمنی بحث: بنائے فساد وغیرہ)	۴۵	۳۱۱
۱۱۰	ہجرت کا صلہ اور اسلامی سوشلزم کا حجر اساسی (ضمنی مباحث: ضابطہ اولوالارحام قطعی نہیں ہے۔ وغیرہ)	۱۱۶ / ۱۱۷	۵۲۴
۱۱۱	قانون تبنیٰ (وراثتی قانون پر اثرانداز ہونے والا ایک قانونی نقطہ۔ ط) (نیز " وراثتی مسائل پر اثرانداز ہونے والے قانونی نکات کی تفاصیل ملاحظہ ہوں)	۲۰۷ / ۱۹ / ۹۱ / ۲۰۸	۶۹۳ / ۲۱۹ / ۴۷۷ / ۶۹۲
	حلال و حرام کی تفاصیل		
۱۱۲	مردار کے گوشت اور خون کا مسئلہ (بمع علمی مباحث)	۱۰	۱۳۳
۱۱۳	اپنی ماں سے نکاح کرنا ؟ (ضمنی بحث: مستقبل سے ماضی کا استثنار وغیرہ)	۵۶	۳۵۷
۱۱۴	دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا (ضمنی بحث: دو بہنیں ایک ساتھ حلال بھی حرام بھی)	۵۷	۳۵۸
۱۱۵	دودھ کے باعث حرام ہونے والے رشتے، اور ایک منسوخ التلاوت آیت کی بحث (ایک علمی بحث)	۵۸	۳۶۱
۱۱۷	ذبیحہ اہل کتاب اور مردار گوشت (علمی مباحث)	۱۰۰	۴۶۶
	حلال و حرام جانوروں کا مسئلہ (ضمنیات: فرمودات رازی۔ تخصیص کس بات کی؟ وحی کس نوعیت کی؟ ناسخ کی توانائی کتنی	۱۰۴	۴۷۵

نمبر شمار	مضمون	مشروح نمبر	صفحہ
	حرارت کی سونی جاتی ہے؛ منسوخ قابل استدلال ہوتا ہے۔ تاکیدی حکم نسخ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ تمام شریعتوں میں یکساں حرمت۔ یہ تفصیل ہے تقسیم نہیں ہے۔ خبائث کسے کہتے ہیں؟ اور حدیث کا رول۔		
۱۱۸	قربانی کے سوا ہر ذبیحہ حرام ہے؟ (ایک علمی بحث)	۱۷۵/۱۷۹	۶۲۶
	شہری دفاع اور جنگ		
۱۱۹	جنگ دفاع (بمع مباحث)	۱۵	۲۰۹
۱۲۰	مسجد الحرام کی حدود میں جنگ (ضمنی بحث: نفسیاتِ حکم)	۱۶	۲۱۳
۱۲۱	جنگ میں حصہ نہ لینے والوں کا انجام (ضمنی بحث: اختلافِ قرأت)	۱۷	۲۱۵
۱۲۲	جہاد سے نفرت اور گریز	۲۰	۲۲۲
۱۲۳	تعظیم والے مہینوں میں جنگ	۲۱	۲۲۴
۱۲۴	جہاد رسول اللہ پر ہر لحظہ فرض ہے۔	۴۸	۲۵۶
۱۲۵	جہاد اور طلب علمی کے لئے کوچ کرنے کے حدود کیا ہیں؟	۶۵	۳۹۶
۱۲۶	منافقین کے بارے میں تردّد (ضمنیات: مولانا ابوالکلام آزاد کی وضاحت اور "شانِ نزول کی حقیقت")	۶۹	۴۰۱
۱۲۷	معاہدۂ جنگ بندی کا احترام ضروری نہیں ہے؟	۷۰	۴۰۴
۱۲۸	غیر جانبداروں کو قتل کرنا کیسا ہے؟	۷۲	۴۰۸
۱۲۹	مشرکوں کو صیغۂ امر سے وارننگ۔	۱۰۱	۴۶۹
۱۳۰	مالِ غنیمت کا مسئلہ۔ (بمع ضروری بحث)	۱۱۱	۴۹۹
۱۳۱	معاہدہ صلح کی پابندی کرنے والوں کا قتل۔	۱۲۰	۵۳۶
۱۳۲	کیا ہنگامی صورتِ حال جنگ کے ناقابل افراد کو بھی شامل ہے؟ (بمع مفید علمی مباحث)	۱۲۳	۵۴۳
۱۳۳	جنگ میں شامل نہ ہونے والے افراد کا تعاقب	۱۲۴	۵۴۶
۱۳۴	جنگ میں روح معنویت اور عسکری مہارت کا رول' اور حرمت فرار کی بحث (ضمنیات: دونوں آیتوں میں خطاب کا انداز۔ ابومسلم کی توجیہہ۔ اس پر اعتراض اور جواب۔ مزید اعتراض و جواب۔ قول حق۔ امام رازی کی کمنٹ۔ صدائے حق۔ اجماع امت اور ابن عباس کا محاسبہ۔ ضعیف کی تعریف۔ ابن عباس اور عطاء بن ابی رباح۔ آیت کا مفہوم۔ اس پر اعتراض اور جواب۔ تبصرہ۔ اسانید۔ ابن عباس وجرح اور امام رازی کی حکیمانہ توجیہہ۔)	۱۱۵	۵۰۹
۱۳۵	انتقام لینے کی حدود کیا ہے؟	۱۵۴	۵۹۸

۱۳۶	کفار کی گھات میں لگے رہنے کا نسخ ؟ (ضمنی بحث کے لئے ارتقا کے صفحے ملاحظہ ہوں)	۲۵۱	۷۶۶
۱۳۷	کفار سے نپٹنے کے لئے جلدی کی ضرورت نہیں ہے۔	۲۵۴	۷۷۳
۱۳۸	حرمت کے مہینوں کی بے حرمتی اور غیر مسلموں کا حج سے رُکنا (مع ضمنی مباحث)	۷۷ تا ۷۹	۴۱۹
۱۳۹	سرِ جنگ کی حالت برقرار رکھنا	۲۱۸ / ۲۲۱	۷۳۶
۱۴۰	اعلانِ معافی (ضمنی بحث: علت سے وابستہ احکام کی پوزیشن)	۴	۱۲۴
۱۴۱	جنگی قیدیوں کے قتل کرنے اور غلام بنانے کا مسئلہ	۲۰۱	۷۷۴
۱۴۲	فئے اور مالِ غنیمت کی تقسیم	۲۶۹	[illegible]
۱۴۳	سرحدی مسلمانوں کے بارے میں مسلم سٹیٹ کی ایک اہم ذمہ داری	۲۷۳	۸۲۱
۱۴۴	مشرک قیدیوں کو کھانا کھلانا منسوخ ہے ؟ (اضافی دلائل اور اسیر کی تعریف)	۲۹۸ / ۲۹۹	۸۴۶
۱۴۵	صلح کی شرائط اور احکام (ضمنیات: رازی کا نعرۂ حق اور حقیر گزارش)	۱۱۴	۵۰۷

معاشرتی آداب، روابط اور فرائض

۱۴۶	حسنِ کلام کا نسخ ؟ (ضمنیات: آیۂ سیف کی علمی توجیہ)	۳	۱۲۱
۱۴۷	سچائی زمان و مکان سے آزاد ہے، (ضمنی بحث: اسلام دشمنی کی وجہ)	۵	۱۲۶
۱۴۸	یتیموں کے مال میں تصرف کا مسئلہ (ایک علمی بحث)	۴۳	۳۰۸
۱۴۹	یتیموں کی سرپرستی کی سزا (ایک علمی بحث)	۴۷	۳۱۵
۱۵۰	ایک دوسرے کے گھر کی چیز کھانا اور مشترکہ تجارت کی کمائی (کاروباری آداب کی ضروری شق)	۶۰	۳۷۴
۱۵۱	مخالف کے ساتھ شائستہ زبان استعمال کرنا کیوں ضروری ہے؟	۹۸	۳۶۳
۱۵۲	فرقہ پرستوں اور قرآن کے متوازی نظام ماننے والوں کا بائیکاٹ۔	۱۰۶	۳۸۴
۱۵۳	اسلام کا ثقافتی مشن	۱۲۲	۵۴۰
۱۵۴	فرقہ بندی کے ڈر سے بحث و نزاع سے پرہیز کرنا چاہیے۔	۳۴۱	۷۵۶
۱۵۵	خالی اور آباد گھر میں داخل ہونے کے آداب (ضمنیات، بگاڑ کی وجہ۔ ابن عباس کی قرآن شکن روایت۔ ابن عباس نے بھی عجیب بات کہہ دی۔ ایک نکتہ دراز توجیہہ اور جعلی قرآن کی سند)	۱۸۸ / ۱۸۹	۶۶۴
۱۵۶	سن رسیدہ عورتوں کے لئے حجاب کے احکام (ایک ضروری بحث)	۱۹۰	۶۶۹
۱۵۷	خادم اور غلام کے لئے گھریلو آداب (مع ضمنی بحث)	۱۹۲	۶۷۳

نمبر شمار	عنوان	منسوخ نمبر	صفحہ
۱۵۸	عزیز و اقارب اور دوستوں کے گھر کھانا کھانا	۱۹۳	٦٧٦
۱۵۹	رسول اللہ سے علیحدہ ملنے کا نذرانہ	۲٦۸	۸۰٦
	عبادات		
۱٦۰	وضو کیسے کرنا چاہیے؟ ضمنیات: ابن حزم کے اعتراض کا فنی تجزیہ۔ قانون فاصلہ۔ اس قاعدے کا ایک در ماخذ۔ قطع کا قاعدہ۔ ابن عباس کی رائے کا جواب۔ دعوت شیراز۔ سند مع جائزہ۔ سند سوم مع جائزہ۔ ناسخ سوم اور قول فیصل وغیرہ۔	۸۰	۴۲۱
۱٦۱	قبلہ رخ ہونے کا حکم (مع علمی مباحث)	٦/٧	۱۲٧
۱٦۲	روزے کب اور کتنے رکھنے چاہئیں؟ ضمنیات: کہا جاتا ہے کہ۔ کتنے روزے؟ دلیل ناسخ دوم مع قول فیصل۔ جمہور کے دلائل۔ ان دلائل کی رکاکت اور مفتی محمد عبدہ۔	۱۳	۲۰۰
۱٦۳	روزے رکھنے سے کون مستثنیٰ ہیں؟ (ضمنیات۔ نسخ معکوس اور یطیقون کے معنے۔)	۱۴	۲۰٧
۱٦۴	قربانی سے پہلے سر منڈانے کا حکم	۱۸	۲۱۸
۱٦۵	حج عوامی عبادات نہیں ہے؟ (ضمنیات: حج ہر فرد پر فرض ہے، اور قرآن کا فیصلہ)	۲۸	۲۸۵
۱٦٦	دعا کے آداب (مع مباحث قول فیصل ۱ و قول فیصل ۲)	۱۵۸	٦۰۵
۱٦٧	اللہ کے لئے کمال درجہ کوشش کرنا	۱۸۱	٦۳۸
۱٦۸	تہجد کی شرعی حیثیت (ضمنیات، چھ اقوال فاصل کے جوابات بحثہ ابن عباس اور نسخ کس شے کا؟)	۲۸۵ تا ۲۸۸	٦۳۸ / ۸۲۵
۱٦۹	فطرانہ اور نماز عید۔ قرآن سے جبری ثبوت! (ضمنیات: قول فیصل اور تنزیل وحی کی روشنی میں)	۳۰۸ / ۳۰۹	۸۵٧
	حلال کو حرام بنانے کی جسارت		
۱٧۰	شراب کے بارے میں۔ ضمنیات: قرآن کے اصول تقنین۔ سکر کے نسخ شکن مفاہیم۔ ایک بھاری اعتراض اور معمہ سند)	٦۲	۳۸۵
۱٧۱	شراب یا پھلوں کا رس؟ ضمنیات: پھلوں کا رس حقیقت۔ لذیذ غذا۔ نبیذ کا مفہوم۔ مزید ایک اور معنے۔ یہ لفظ طبری کے نزدیک ناقابل نسخ معانی پر مشتمل ہے۔ اور یہ تبصرہ)	۱۵۰	۵۸۸
	تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ		
۱٧۲	حصول تعلیم کے نفسیاتی اصول ضمنیات: قول فیصل۔ نسخ کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں اور نسخ ۲ مع قول فیصل (منسوخ ۱۹۰ کو ملا کر پڑھئے۔)	۱٦۵	٦۱۵

اصُولوں کا احترام

۱۷۳	اپنے موقف پر ڈٹے رہنا	۴۰	۲۹۰
۱۷۴	کفار سے یارانہ گانٹھنا کیسا ہے ؟	۹۳	۴۵۷
۱۷۵	قرآن کے خلاف مجلسیں جمانے والوں کا بائیکاٹ	۹۱/۹۲	۴۵۵
۱۷۶	فرقہ پرستوں اور قرآن کے متوازی نظام کو ماننے والوں سے بائیکاٹ	۱۰۶	۴۸۴
۱۷۷	حزب اللہ کی کامیابی نیچرل اور اٹل ہے ۔	۱۱۳	۵۰۵
۱۷۸	قرآن میں دست اندازی کرنے سے رسول اللہ کا انکار	۱۳۰	۵۵۸
۱۷۹	اپنے مشن پر جمے رہنا ۔	۱۳۶	۵۶۷
۱۸۰	قرآن بدلو یا میدان چھوڑ دو ۔	۱۳۷	۵۶۷
۱۸۱	رسول اللہ کو جادوگر کہنے والوں سے بائیکاٹ	۲۶۰	۶۰۹
۱۸۲	جہالت اور سوء فہمی کے شکار لوگوں سے بائیکاٹ	۲۶۴	۶۱۴
۱۸۳	سوشل بائیکاٹ انہی کافروں سے ہے جو لڑ رہے ہوں	۲۷۰/۲۷۱	۸۱۶

نفسیاتِ پیغمبر

۱۸۴	مخالف کی دل آزار حرکتوں پر پیغمبر کا ملال	۹۹	۴۶۴
۱۸۵	رسول اللہ کا اضطراب اور علم الٰہی	۲۱۶	۷۳۴
۱۸۶	رسول اللہ شاعروں کی طرح ایک بات پر قائم نہیں رہ سکتے تھے ؟ (تربص کے معنے کی وضاحت)	۲۶۱	۷۸۹
۱۸۷	حصولِ مقصد کا کامیاب ذریعہ ۔ عملِ پیہم	۲۷۸	۸۳۰
۱۸۸	عظمتِ قرآن اور رسالت کا بوجھ	۲۸۹	۸۴۰
۱۸۹	رسول کے لئے تبلیغ اور انذار فرض حیثیت رکھتے ہیں ۔	۸۵	۴۴۲

اخلاقیاتِ اسلام

۱۹۰	اخلاقی ضابطوں کو جبری طور پر نافذ کرنا (لا اکراہ فی الدین کی ذیلی مباحث ۔ قول فیصل ۔ ایمان کی نفسیات ۔ فقیہان شہر کیا کہتے ہیں ؟ ۔ ابن کثیر کی نورانی تشریح)	۲۹	۲۶۱
۱۹۱	عفو در گذر کرنا کیسا ہے ؟	۶۷	۳۹۸
۱۹۲	اچھائیوں کی ترغیب اور برائیوں سے باز رکھنا واجب نہیں ہے ؟ "لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم" کی موزوں تشریحات ـــ اور ہدایت کی بگڑی صورت کا تعارف ۔	۸۶	۴۴۳

نمبر شمار	عنوان		ملفوظ نمبر	صفحہ
۱۹۳	بحث و نزاع میں شریفانہ لب و لہجہ اختیار کرنا کیسا ہے؟	(ایک نفیس علمی بحث)	۱۵۲	۵۹۶
۱۹۴	برائی کا جواب بہترین طرزِ عمل	(موضوع عنوان سے ظاہر ہے)	۱۸۳	۶۴۰
۱۹۵	جاہلوں کا جواب	(غنڈوں اور مفسدہ پردازوں سے بچنے کا قرآنی مشورہ)	۱۹۴	۶۷۸
۱۹۶	زانی اور قاتل کی روحانی سزا	(خلود اور ابد کا فرق)	۱۹۵/۱۹۶	۶۷۹
۱۹۷	قاتل کی نجات ناممکن ہے؟		۱۹۷	۶۸۰
۱۹۸	بداخلاقی کا جواب		۲۰۱	۶۸۱
۱۹۹	اہل کتاب سے حسن سلوک	(غیر مسلموں سے گفتگو اور روابط کے آداب)	۲۰۲	۶۸۸
۲۰۰	بحث و نزاع میں برائی یا بری بات کا جواب		۲۳۸	۷۵۲
۲۰۱	نام لئے بغیر دشمنوں کو چیلنج کرنا۔		۲۶۲	۷۹۰
۲۰۲	بیہودہ باتوں کی چھوٹ دینا		۲۸۴	۸۳۴
۲۰۳	دشمن سے کنارہ کشی مگر با حسن طریق	(ایک علمی بحث)	۲۹۰/۲۹۲	۸۴۲
۲۰۴	ہدایت پانے کی آزادی		۲۹۵/۲۹۶	۸۴۳
۲۰۵	خداوند سے خود پوچھے تا تیری رضا کیا ہے؟	(مذہبی حریت فکر پر ایک نفیس بحث)	۳۰۱	۸۵۱
	درس مساوات	(اس میں نیز حریت رائے اور علمی مساوات کا درس دیا گیا ہے)	۳۰۲/۳۰۳	۸۵۳
	قرآن پاک سب کے لئے موجب ہدایت ہے۔		۳۰۵/۳۰۶	۸۵۴

جبری اسلام کا شائبہ - اور - آیۂ سیف کی زد میں آنے والی مزید آیات

نمبر شمار	عنوان	ملفوظ نمبر	صفحہ
۲۰۸	جبری اطاعت کا آرڈر نفس	۶۶	۳۹۵
۲۰۹	منکرین حق، شرارتیں اور قانون امہال	۱۰۵	۴۸۳
۲۱۰	خدا کی مخفی تدابیر	۱۰۸	۴۸۸
۲۱۱	کفار کو دھمکانے کا اسلوب	۱۳۱	۵۶۰
۲۱۲	پیغمبرؐ کے بعد دعوت قرآن پہنچ کرتے گی۔	۱۳۳	۵۶۲
۲۱۳	فکر و استعداد کا تفاوت اور قبول حق کی صلاحیت	۱۳۴	۵۶۴
۲۱۴	ہدایت کا فائدہ اور معصیت کا نقصان	۱۳۵	۵۶۵

۲۱۵	کفار کو وارننگ		۱۳۹/۱۴۰	۵۷۱
	رسول اللہ کا بنیادی فریضہ		۱۴۳	۵۷۶
۲۱۷	قانونِ اجمال کی تنسیخ		۱۶۳	۶۱۳
۲۱۸	فتح مکہ میں دیر سے لئے نذیر مبین نہیں ہے		۱۶۴	۶۱۴
۲۱۹	خدا کا حمد وثنا نسخ کی زد میں		۱۶۷	۶۱۹
۲۲۰	توحید باری کا کھلا اعلان		۱۷۳	۶۲۵
۲۲۱	خدا کے وعدے پر شک کرنا		۱۷۴	۶۲۵
۲۲۲	مظلوموں کا قدرتی حق اعلانِ جنگ		۱۷۷	۶۲۷
۲۲۳	رسول اللہ نذیر مبین نہیں تھے ؟		۱۷۸	۶۲۸
۲۲۴	کٹ حجتی کا جواب		۱۸۰	۶۳۷
۲۲۵	شقاوت کا مزاج	(کلمہ "حین" کی تشریح)	۱۸۲	۶۳۹
۲۲۶	رسول اللہ کی اطاعت اور رسالت کا نسخ	(ایک علمی بحث)	۱۹۱	۶۴۱
۲۲۷	توحید، حشر ونشر اور نبوتِ محمدیہ کی تصدیق کا معاملہ	(ہدایت کا ایک مفہوم)	۱۹۹	۶۸۳
۲۲۸	وبالِ کفر		۲۰۴	۶۹۱
۲۲۹	کفار اور منافقین کی مخالفت اور منسوخ ؟		۲۱۰	۶۹۷
۲۳۰	قانونِ فطرت	(ناسخین کا لفظ نذیر پر اعتراض)	۲۱۵	۷۳۳
۲۳۱	عظیم حادثے کا ظہور	(نبوتِ محمدیہ کی غرض وغایت کی وضاحت)	۲۲۴	۷۴۲
۲۳۲	قرآن واضح ہو کر رہے گا		۲۲۵	۷۴۳
۲۳۳	اللہ اس دنیا کا حاکم نہیں ہے ؟		۲۲۶	۷۴۴
۲۳۴	قرآن کا اسلوبِ ہدایت ناقابلِ عمل کیوں ؟		۹۵	۴۶۰
۲۳۵	مشرکین سے تعرض نہ کرنا	(ایک نفیس بحث)	۹۶/۹۷	۴۶۱
۲۳۶	منکرینِ وحی۔ جوابِ آں غزل اور وارننگ		۹۴	۴۵۸
۲۳۷	گمراہی کے لئے بھی قانون ہے		۲۲۹/۲۳۰	۷۴۷
۲۳۸	کفر پر قائم رہنے کا حکم	(ناسخین کی تحریف کا ایک شاہکار)	۲۳۱/۲۳۲	۷۴۸
۲۳۹	رسول اللہ کے عمدہ اوصاف منسوخ ہیں ؟		۱۴۸	۵۸۵

نمبر شمار	عنوان	منسوخ نمبر	صفحہ
۲۴۰	قانونِ ہدایت	۲۳۳	۷۴۹
۲۴۱	قانونِ خدا کوئی شئے نہیں ہے ؟	۲۳۴	۷۵۰
۲۴۲	خدا آخرت کا حاکم ہے دنیا کا نہیں ؟ (خدائی اختیارات کی عجیب تقسیم)	۲۳۵	۷۵۰
۲۴۳	خدا کا وعدہ برحق نہیں ہے ؟	۲۳۶	۷۵۱
۲۴۴	اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے	۲۳۷	۷۵۲
۲۴۵	رسولؐ خدا کسی کے نگہبان نہیں ہیں ؟	۲۴۰	۷۵۵
۲۴۶	فریضۂ رسالت	۲۴۸	۷۶۴
۲۴۷	تلوار کے بغیر اسلام کی اشاعت ناممکن ہے	۲۴۹	۷۶۴
۲۴۸	منکرینِ خدا کو خاطر میں نہ لانا	۲۵۰	۷۶۵
۲۴۹	کفار جو کچھ کہیں اُسے برداشت کیا جائے	۲۵۷	۷۸۳
۲۵۰	جبری اسلام	۲۵۸	۷۸۳
۲۵۱	منکرینِ قرآن سے آویزش	۲۷۷	۸۲۹
۲۵۲	روزِ قیامت کی طوالت کا معیار	۲۷۹ / ۲۸۱	۸۳۱
۲۵۳	قرآن ابد تک موجبِ ہدایت رہیگا ۔	۲۹۳	۸۴۳
۲۵۴	مخالفین سے ایک ایک کر کے نپٹنا	۲۹۴	۸۴۴
۲۵۵	کفار سے بے تعلق رہنا	۳۰۰	۸۵۰
۲۵۶	سورۂ طارق	۳۰۶	۸۵۵
۲۵۷	رسول اللہ ایمان کے بارے میں جابر نہ تھے ؟ (ایک علمی بحث)	۳۱۰ / ۳۱۱	۸۶۰
۲۵۸	خدا کی طرف متوجہ ہونا	۳۱۲	۸۶۳
۲۵۹	اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے ؟	۳۱۳	۸۶۴
۲۶۰	حضرت انسان کوئی بھی ہو گھاٹے میں ہے ۔	۳۱۴	۸۶۵
۲۶۱	ہر ایک اپنے دین کا مسئول ہے	۳۱۵	۸۶۵
۲۶۲	آیۂ سیف خود بھی منسوخ ہے ۔	۵۳	۳۵۲

نمبر شمار	عنوان	منسوخ نمبر	صفحہ
	متفرق علمی مباحث		
۲۶۳	بیت المقدس کی تسخیر ؑ (یوم الحسرۃ کی تلمیح سے کیا مراد ہے اور لفظ "یومٔ" کی علمی تشریح وغیرہ)	۱۶۰	۶۰۹
۲۶۴	اولاد کے حق میں اندیشہ (وصیت کا ایک اہم مسئلہ)	۴۶	۳۱۴
۲۶۵	وہ گھڑی آکر رہے گی (ضمنیات: کون سی گھڑی؟ الساعۃ سے مراد اس موجودہ کائنات کی گھڑی مراد ہے۔ صفح جمیل وغیرہ)	۱۴۶	۵۸۱
۲۶۶	والدین کی خدمت اور اطاعت کے احکام	۱۵۵، ۱۵۶	۶۰۱
۲۶۷	ذبح فرزند کا مسئلہ (ابراہیمؑ نے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا یا کسی اور چیز کو؟)	۲۱۷	۷۳۵
۲۶۸	اعمال کا صلہ	۲۴۲	۷۵۸
۲۶۹	دولت پر کوئی زکوٰۃ نہیں؟ (انسانی فطرت وحب مال کے بارے میں قرآنی تجزیہ۔ نفیس علمی بحث)	۲۵۶	۷۸۰
۲۷۰	حصول مقصد کے لئے کچھ وقت کی زبان بندی۔ (ایک نفیس علمی مضمون)	۳۴	۲۸۱
۲۷۱	کفر اور اسلام	۳۵، ۳۷	۲۸۳
۲۷۲	اللہ سے کس حد تک ڈرا جائے؟ (ایک کلامی مسئلہ)	۳۹	۲۸۹
۲۷۳	بیوی سے مال چھیننے کے بہانے زچ کرنا (ایک اہم معاشرتی مسئلہ۔ ضربات رازی وغیرہ)	۵۴	۳۵۳
۲۷۴	دل میں اتر جانے والی بات کا نسخہ (پوشیدہ اور برملا ٹوکنے میں بہتر طریقہ کون سا ہے؟)	۶۳	۲۹۲
۲۷۵	قتل عمد کی اخروی سزا (ضمنیات: قول فیصل، ایک شبہ۔ ایک اور توجیہہ۔ مزید ایک اور توجیہہ۔ ابن مسعود کی رائے۔ اجماع کی حقیقت اور ہمارے نزدیک)	۷۵	۴۱۲
۲۷۶	غیر متمدن طبقے کا اکھڑپن اور طبعی خصوصیات (قبول حق میں مانع اسباب)	۱۲۷، ۱۲۸	۵۵۵
۲۷۷	رسول اللہ کی آواز پر لبیک کہنا کن پر واجب ہے؟ (ایک نفیس سائیکالوجی مضمون)	۱۲۹	۵۵۶
۲۷۸	کفار کی ندامت اور رنج و پشیمانی	۱۴۵	۵۹۸
۲۷۹	اللہ کی نعمتوں کا حقیقی اعتراف	۱۵۱	۵۹۴
۲۸۰	منافقین کا مقام	۷۶	۴۱۶
۲۸۱	اچھائیوں کی ترغیب اور برائیوں سے باز رکھنا واجب نہیں؟ (انسان خود مضبوط کردار کا حامل ہو تو اسے کوئی بھی بہلا پھسلا نہیں سکتا۔ ہدایت و گمراہی کے ضمن میں ایک نفیس علمی بحث)	۸۶	۴۴۳
۲۸۲	مشینری فنڈ کی شرعی حیثیت (اجراء احکام کا مناسب وقت۔ اور مناسب وقت کی انتظار نسخ نہیں کہلا سکتی۔ وغیرہ)	۱۲۵	۵۴۹

حضراتِ قارئین!

موضوع وار فہرست کے بعد آپ کی مزید سہولت کے لئے ترتیب وار فہرست بھی پیش خدمت ہے
اس میں عنوانات کی وضاحت اگرچہ نہیں کی گئی تاہم ہر منسوخ نمبر وار ترتیب سے درج کر کے ترتیب وار
صفحوں سے روشناس کرایا گیا ہے۔

منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ
۱	۱۱۰	۲۳	۲۳۴	۴۵	۳۱۱	۶۷	۳۹۸			۱۱۱	۴۹۹
۲	۱۱۵	۲۴	۲۳۹	۴۶	۳۱۴	۶۸	۳۹۹	۹۰	۴۵۳	۱۱۲	۵۰۳
۳	۱۲۱	۲۵	۲۴۹	۴۷	۳۱۵	۶۹	۴۰۱	۹۱		۱۱۳	۵۰۵
۴	۱۲۴	۲۶	۲۵۳	۴۸	۳۱۸	۷۰	۴۰۴	۹۲	۴۵۵	۱۱۴	۵۰۷
۵	۱۲۶	۲۷	۲۵۵	۴۹	۳۲۶	۷۱	۴۰۶	۹۳	۴۵۷	۱۱۵	۵۰۹
۶		۲۸	۲۵۶	۵۰		۷۲	۴۰۸	۹۴	۴۵۸	۱۱۶	
۷	۱۲۷	۲۹	۲۶۱	۵۱	۳۲۸	۷۳	۴۰۹	۹۵	۴۶۰	۱۱۷	۵۲۴
۸	۱۳۱	۳۰	۲۶۴	۵۲	۳۴۹	۷۴	۴۱۱	۹۶		۱۱۸	۵۲۹
۹	۱۳۲	۳۱	۲۶۹	۵۳	۳۵۲	۷۵	۴۱۲	۹۷	۴۶۱	۱۱۹	۵۳۴
۱۰	۱۳۳	۳۲	۲۷۴	۵۴	۳۵۳	۷۶	۴۱۶	۹۸	۴۶۳	۱۲۰	۵۳۶
۱۱	۱۳۸	۳۳	۲۷۶	۵۵	۳۵۵	۷۷		۹۹	۴۶۴	۱۲۱	۵۳۷
۱۲	۱۴۶	۳۴	۲۸۱	۵۶	۳۵۷	۷۸	۴۱۶	۱۰۰	۴۶۶	۱۲۲	۵۴۰
۱۳	۲۰۰	۳۵		۵۷	۳۵۸	۷۹		۱۰۱	۴۶۹	۱۲۳	۵۴۳
۱۴	۲۰۷	۳۶	۲۸۴	۵۸	۳۶۱	۸۰	۴۲۱	۱۰۲	۴۷۰	۱۲۴	۵۴۶
۱۵	۲۰۹	۳۷		۵۹	۳۶۵	۸۱	۴۳۲	۱۰۳	۴۷۱	۱۲۵	۵۴۹
۱۶	۲۱۳	۳۸	۲۸۵	۶۰	۳۷۴	۸۲	۴۳۳	۱۰۴	۴۷۵	۱۲۶	۵۵۳
۱۷	۲۱۵	۳۹	۲۸۹	۶۱	۳۷۷	۸۳	۴۳۴	۱۰۵	۴۸۳	۱۲۷	
۱۸	۲۱۸	۴۰	۲۹۰	۶۲	۳۸۵	۸۴	۴۳۷	۱۰۶	۴۸۴	۱۲۸	۵۵۵
۱۹	۲۱۹	۴۱	۲۹۲	۶۳	۳۹۲	۸۵	۴۴۲	۱۰۷	۴۸۶	۱۲۹	۵۵۶
۳۰	۲۲۳	۴۲	۲۹۶	۶۴	۳۹۵	۸۶	۴۴۳	۱۰۸	۴۸۸	۱۳۰	۵۵۸
۲۱	۲۲۴	۴۳	۳۰۸	۶۵	۳۹۶	۸۷ تا	۴۴۶	۱۰۹		۱۳۱	۵۶۰
۲۲	۲۲۷	۴۴	۳۱۰	۶۶	۳۹۷	۸۹		۱۱۰	۴۸۹	۱۳۲	۵۶۱

منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ	منسوخ نمبر	صفحہ
۱۳۳	۵۶۲	۱۶۵	۶۱۵	۱۹۷	۶۸۰	۲۲۹	۷۴۷	۲۶۱	۷۸۹	۲۹۳	۸۴۳
۱۳۴	۵۶۴	۱۶۶	۶۱۸	۱۹۸	۶۸۱	۲۳۰		۲۶۲	۷۹۰	۲۹۴	۸۴۴
۱۳۵	۵۶۵	۱۶۷	۶۱۹	۱۹۹	۶۸۳	۲۳۱	۷۴۸	۲۶۳	۷۹۲	۲۹۵	۸۴۴
۱۳۶	۵۶۷	۱۶۸	۶۱۹	۲۰۰	۶۸۴	۲۳۲		۲۶۴	۷۹۳	۲۹۶	
۱۳۷	۵۶۷	۱۶۹	۶۲۱	۲۰۱	۶۸۷	۲۳۳	۷۴۹	۲۶۵	۷۹۴	۲۹۷	۸۴۵
۱۳۸	۵۶۹	۱۷۰	۶۲۳	۲۰۲	۶۸۸	۲۳۴	۷۵۰	۲۶۶	۸۰۰	۲۹۸	۸۴۶
۱۳۹	۵۷۱	۱۷۱		۲۰۳	۶۹۰	۲۳۵	۷۵۰	۲۶۷	۸۰۱	۲۹۹	
۱۴۰		۱۷۲		۲۰۴	۶۹۱	۲۳۶	۷۵۱	۲۶۸	۸۰۶	۳۰۰	۸۵۰
۱۴۱	۵۷۲	۱۷۳	۶۲۵	۲۰۵	۶۹۱	۲۳۷	۷۵۲	۲۶۹	۸۱۴	۳۰۱	۸۵۱
۱۴۲	۵۷۳	۱۷۴	۶۲۵	۲۰۶	۶۹۲	۲۳۸	۷۵۳	۲۷۰	۸۱۶	۳۰۲	۸۵۳
۱۴۳	۵۷۶	۱۷۵	۶۲۶	۲۰۷	۶۹۳	۲۳۹	۷۵۳	۲۷۱		۳۰۳	
۱۴۴	۵۷۷	۱۷۶		۲۰۸	۶۹۳	۲۴۰	۷۵۵	۲۷۲	۸۱۸	۳۰۴	۸۵۴
۱۴۵	۵۸۰	۱۷۷	۶۲۷	۲۰۹	۶۹۵	۲۴۱	۷۵۶	۲۷۳	۸۲۱	۳۰۵	
۱۴۶	۵۸۱	۱۷۸	۶۲۸	۲۱۰	۶۹۷	۲۴۲	۷۵۸	۲۷۴	۸۲۳	۳۰۶	۸۵۵
۱۴۷	۵۸۳	۱۷۹	۶۲۹	۲۱۱	۶۹۸	۲۴۳	۷۵۹	۲۷۵	۸۲۶	۳۰۷	
۱۴۸	۵۸۵	۱۸۰	۶۳۷	۲۱۲	۷۰۲	۲۴۴	۷۶۲	۲۷۶	۸۲۷	۳۰۸	۸۵۷
۱۴۹	۵۸۶	۱۸۱	۶۳۸	۲۱۳	۷۰۹	۲۴۵		۲۷۷	۸۲۹	۳۰۹	
۱۵۰	۵۸۸	۱۸۲	۶۳۹	۲۱۴	۷۳۳	۲۴۶		۲۷۸	۸۳۰	۳۱۰	۸۶۰
۱۵۱	۵۹۴	۱۸۳	۶۴۰	۲۱۵	۷۳۳	۲۴۷		۲۷۹	۸۳۱	۳۱۱	
۱۵۲	۵۹۵	۱۸۴	۶۴۲	۲۱۶	۷۳۴	۲۴۸	۷۶۳	۲۸۰		۳۱۲	۸۶۲
۱۵۳	۵۹۶	۱۸۵	۶۵۵	۲۱۷	۷۳۵	۲۴۹	۷۶۴	۲۸۱		۳۱۳	۸۶۴
۱۵۴	۵۹۸	۱۸۶	۶۶۰	۲۱۸	۷۳۶	۲۵۰	۷۶۵	۲۸۲	۸۳۲	۳۱۴	۸۶۵
۱۵۵	۶۰۱	۱۸۷	۶۶۳	۲۱۹		۲۵۱	۷۶۶	۲۸۳		۳۱۵	۸۶۵
۱۵۶		۱۸۸	۶۶۴	۲۲۰		۲۵۲	۷۶۸	۲۸۴	۸۳۴		
۱۵۷	۶۰۳	۱۸۹		۲۲۱		۲۵۳	۷۶۹	۲۸۵	۸۳۵		
۱۵۸	۶۰۵	۱۹۰	۶۶۹	۲۲۲	۷۳۸	۲۵۴	۷۷۳	۲۸۶			
۱۵۹	۶۰۷	۱۹۱	۶۷۱	۲۲۳	۷۴۱	۲۵۵	۷۷۴	۲۸۷			
۱۶۰	۶۰۹	۱۹۲	۶۷۳	۲۲۴	۷۴۲	۲۵۶	۷۸۰	۲۸۸			
۱۶۱	۶۱۰	۱۹۳	۶۷۶	۲۲۵	۷۴۳	۲۵۷	۷۸۳	۲۸۹	۸۴۰		
۱۶۲	۶۱۲	۱۹۴	۶۷۸	۲۲۶	۷۴۴	۲۵۸	۷۸۴	۲۹۰	۸۴۲		
۱۶۳	۶۱۳	۱۹۵	۶۲۹	۲۲۷	۷۴۵	۲۵۹	۷۸۵	۲۹۱			
۱۶۴	۶۱۴	۱۹۶		۲۲۸	۷۴۶	۲۶۰	۷۸۸	۲۹۲			

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

قرآنِ محکم کی منسوخ آیتوں کا مسئلہ شروع ہی سے غیر مسلموں کے مناظرانہ طنز کا نشانہ بنا رہا ہے اور یہ ایک دردناک "المیہ" ہے کہ قرآن جیسی واضح، بیّن اور باطل شکن "حقیقت" اور ناقابلِ تغیر ابدی "صداقت" کے الفاظ و معانی کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں دانستہ یا نادانستہ طور پر مذاق کیا جاتا رہا ہے ۔۔۔ قرآن عرصہ دراز سے ایک خوفناک ذہنی و فکری سازش کی خونی کربلا میں خیمہ زن ہے اور اس کے ابدی حقائق کے خیموں کی طنابوں پہ تفقہ فی الدین، تدبر فی الاسلام اور تفکر فی القرآن کے عنوان پر زبان و قلم کے تبر وسنان پے درپے وار کیے چلے جا رہے ہیں لیکن اس ظلمِ عظیم پر نہ کسی دل میں درد اٹھتا ہے اور نہ کسی زبان پر حرفِ احتجاج آتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کسی دل میں درد اٹھے بھی تو کیونکر اور کسی زبان پر حرفِ احتجاج آئے بھی تو کیسے جب کہ تفسیرات، تعبیرات، توضیحات، تشریحات، تاویلات اور تنسیخات کا یہ سارا تہ در تہ، پیچ در پیچ اور سلسلہ در سلسلہ گورکھ دھندا اسلام اور قرآن ہی کے نام پر تیار کیا جاتا رہا ہے۔ احتجاج تو کوئی اس وقت کرے جب اسے بغاوت اور سازش کا علم ہو۔ اصحابِ تلبیس نے تو باہم نقیض و متحارب اور متشابہ و معارض روایات و حوالہ جات اور تاویلات کا ایسا لامتناہی جال تیار کیا ہے۔ کہ قرآن سے مزاحم ہونے والے از روئے خصومت اور قرآن فہمی کی کوشش کرنے والے از روئے تجربہ بجائے اصحابِ تلبیس پر الزام دھرنے کے خود قرآن ہی کو "مجموعۂ تضادات" قرار دیتے ہیں۔

صدیوں کے زمانی عرصہ میں پھیلے ہوئے روایات و تاویلات کے اس "طلسمی ہیکل" میں جو بھی قدم رکھتا ہے کم از کم اولیں مرحلے پر انسانی ایجاد و اختراع کی اس منفی صنعت گری اور ابلیسانہ چابک دستی پر ایک دفعہ ضرور حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ آج بھی اگر آپ اس "طلسمی ہیکل" کے معماروں کی ہنرمندی پر غور کریں تو ایک دفعہ تو ضرور ان کی مہارت کی داد دیں گے۔ قرآن جیسی واضح اور غیر متبدل صداقت کو ابہام، اہمال، تضاد اور تنسیخ کے تلبیسی پردوں میں چھپانا کوئی

آسان کام نہیں تھا اس کے لئے یقیناً صدیوں کی محنت درکار تھی اور آج صورت یہ ہے کہ اپنے اور پرائے دونوں اس پُراسرار" اہرام" اور "طلسمی ہیکل" کو اسلام کی بلند و بالا عمارت کے مترادف سمجھے ہوئے ہیں۔ اب اگر کوئی اس طلسمی ہیکل کی بوالعجبی "پُراسراریت" اور ابہام کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے تو جمہورِ اسلام اس کو اسلام دشمن قرار دے کر گردن زدنی قرار دے دیتے ہیں اور مخالفین کے اعتراضات اس وقت اور بھی وقیع ہو جاتے ہیں جب وہ ہمارے ہی اسلاف کی کتابوں سے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ قرآنِ محکم کی چھ سو سے زیادہ آیتیں منسوخ تسلیم کی جا چکی ہیں اور مسلمان اس نوعیت کے نسخ کے پوری شدت سے قائل رہے اور اسلامی دستور کی باب بندی کے ضمن میں اس عقیدے کا بارہا اعلان کرتے رہے ہیں لیکن تاریخ جہاں ایسی دسیسہ کاریوں کی پردہ پوشی کرتی ہے وہاں انہیں بے نقاب بھی کر دکھاتی ہے۔ وقت کسی کو بھی معاف نہیں کرتا۔ ہر طلسم اس لئے باندھا جاتا ہے کہ بالآخر اسے توڑا جائے اور ہر جھوٹ اس لئے بولا جاتا ہے، کہ بالآخر اس کی تکذیب ہو جائے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس باطل طلسم کو توڑنے والا "اسمِ اعظم" کسی کو نہ مل سکے اور اس ہیکل کے نقشوں اور اصولِ تعمیر سے کوئی واقف نہ ہو سکے۔ آئندہ صفحات میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ان اصولوں کی نشاندہی کی جائے گی جن کو سامنے رکھ کر "نسخ فی القرآن" کا یہ طلسم تیار کیا گیا ہے۔

یوں تو عامۃ المفسرین نے اپنی تفاسیر اور دیگر مستقل تصانیف میں اس مسئلہ کو پوری آب و تاب سے اٹھایا۔ اور اس نظریئے کے مخالفین پر ایک گونہ طنز کیا اور بہت کچھ بُرا بھلا کہا ہے، لیکن مجھے مسئلہ زیرِ بحث کی حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے کسی ایسی تصنیف کی تلاش تھی۔ جس میں بالاستیعاب یا زیادہ سے زیادہ منسوخ آیات کی تفصیل دے دی گئی ہو چنانچہ میری یہ تلاش رائیگاں نہیں گئی اور میں ایک دو ایسی کتابیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جن میں اس موضوع پر تمام آیات کو یکجا کر کے جامع صورت میں پیش کیا گیا تھا اور گویا ان کے مصنّفین نے علماء کے موقف کو واضح صورت دے دی تھی۔

میرا اشارہ امام ابوجعفر النحاس، علامہ ابوعبداللہ ابن حزم اور حافظ ابوالنصر ہبۃ اللہ کی الناسخ والمنسوخ کے عنوان سے ان کی شہرہ آفاق تصانیف کی طرف ہے جو تمام تر مطبوعہ اور میرے خزانہ کتب میں محفوظ ہیں۔

یوں تو اسلاف کے علمی مقام سے کس کو انکار ہے لیکن مذکورہ بالا نظریہ کے اثبات کے لئے ان حضرات نے جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے اور اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے جو طرزِ استدلال منتخب فرمایا ہے اس سے نہ تو کسی حق کی جستجو رکھنے والے کا اطمینان ہو سکتا ہے اور نہ ہی قرآنِ محکم کی عظمت اور وقار دل میں باقی رہ سکتا ہے۔ ان مصنفین کی تمام تحقیقات کا مرکزِ ثقل "نسخ فی القرآن" کے ایمان ربا نظریہ کو بہر قیمت ثابت کرنا اور زورِ استدلال کا محور زیادہ سے زیادہ منسوخ آیات کی تعداد میں اضافہ کرنا تھا جس میں کہ وہ خاصی حد تک کامیاب و کامران نظر آتے ہیں۔ لیکن ہر سلیم العقل آدمی کو ایسے نظریئے کو تسلیم کرنے میں پس و پیش ہو گا جو قرآن محکم کی بے مثل غیر فانی اور ازلی صداقت اور پھر عصمت پر یقین کامل رکھتا ہو اور جس کا ایمان ہے کہ قرآنِ مجید جس طرح رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کامل محکم اور غیر منسوخ صورت میں نازل ہوا تھا بعینہٖ اسی طرح اب ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ اس کی کوئی آیت باطل نہیں ہوئی۔

کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا۔ مطالب کا نسخ نہ کیا ہوتا ، اس کا ہر ہر لفظ، طرز ادا اور لب ولہجہ کی تبدیلی سے بھی منزہ اور پاک ہے۔ اگر ہم ایسا تسلیم نہ کریں تو قرآن محکم کے بہت سے دعووں کی تکذیب لازم آتی ہے۔ کیونکہ "نسخ" کے ایک معنے یہ بھی کئے جاتے ہیں کہ ——— "نئے حکم کی موجودگی میں سابقہ حکم پر عمل کرنا باطل اور گمراہی پر عمل پیرا ہونے کے مترادف ہے" اور قرآن کے بارے میں ہے کہ باطل اس میں سرایت کر ہی نہیں سکتا۔ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (فصلت ۴۲)

جہاں تک نظریہ "نسخ فی القرآن" کا تاریخی تعلق ہے تو ہم بلا تردید کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اوّلین اسلاف یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے موجودہ مفہوم سے نہ تو آشنا تھے اور نہ ہی انہوں نے قرآن محکم کے ایک حصے کی دوسرے حصے سے تکذیب کی بلکہ اسلامی لٹریچر جس حالت میں بھی ہمارے پاس موجود ہے اس میں بھی شاذونادر ہی قرنِ اوّل کی تحریرات میں نظریہ "نسخ فی القرآن" کا مواد ملتا ہو گا۔ ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذہنِ انسانی جب تک قرآن پاک سے بلا واسطہ استفادہ کرتا رہا "تنسیخ" کی کسی بھی دبستانِ فکر نے جسارت نہیں کی۔

بلکہ

نسخ فی القرآن کے ادّعا اور رہیے کے باوصف امّتِ مسلمہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جنہوں نے جمہور کی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق کو ہر چیز پر مقدم جانا اور حقیقت وحی کو پہچانا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے جب یحییٰ بن ابی کثیر کے نسخ فی القرآن کے پھیلائے ہوئے عقیدے کے مفاسد کا جائزہ لیا تو آپ کو برملا کہنا پڑا اور پوری شدت سے مزاحمت کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ "نسخ القرآن بالسنۃ" کا عقیدہ مردود اور عقیدے کے فساد کو لازم ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فصل پنجم)

شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کی طرح جب امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) سے دریافت کیا گیا کہ "حدیث کے ذریعہ نسخ القرآن کے بارے میں آپ کا موقف کیا ہے؟ تو آپ نے بھی تلخ لہجے میں فرمایا کہ ——— پناہ بخدا! میں تو ایسی جسارت نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک تو حدیث نبوی، صرف تفسیر القرآن ہی کا کام دے سکتی ہے نسخ القرآن کا نہیں (کتاب الاعتبار للحازمی طبع دکن ۱۳۱۹ھ ص۲۷)

اور تفسیر کی حد تک کے بارے میں آپ سے منقول ہے کہ ——— "تین چیزوں کی اسلام میں کوئی اصلیت نہیں ہے، ملاحم، مغازی اور تفسیر القرآن" (یاقوت حموی طبع مارگلیوتھ جلد سوم ص۲۳ نیز الاتقان طبع مصر جلد دوم ص۲۱۱)

یہ تو تھا ہمارے اسلاف کا عقیدہ اور اسی کے مطابق اظہار رائے۔ اب آیئے ان کج پسندوں کی طرف، جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی فکرِ خام نے عقیدے کا روپ دھار کر مسلمانوں کو باور کرانا شروع کر دیا کہ نسخ فی القرآن اسلام کا اساسی نظریہ ہے اس کے مخالفین یا تو یہودی ہیں یا دائرہ اسلام سے خارج۔

نہ صرف اتنا مفسرین قرآن کے اس ہمہ گیر پروگرام میں منکرین نسخ کا اعتبار کم کرنے کے لئے نارواتحقیر تک روا رکھی گئیں اور سادہ لوح ذہنوں میں بیان تک راسخ کر دیا گیا کہ :

"جو شخص بھی ناسخ و منسوخ کا علم نہیں رکھتا اس کے لئے قرآنِ پاک کی طرف رجوع کرنا حرام محض ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے مروی ہے کہ باعثِ" ہلاکت" بھی ہے (الاعتبار حازمی ص۳)

غور فرمایئے وحی الٰہی کی طرف رجوع کرنا حرام ہے بلکہ آگے چل کر استخفاف قرآن کی یہاں تک جسارت کی گئی، کہ یحییٰ بن ابی کثیر (متوفی ۱۲۹ھ) جیسے کرتہ نظر محدث کے الفاظ بطور سند نقل ہونے لگے:-

قرآن و حدیث میں جب تضاد محسوس ہو تو اس صورت میں حدیث کو مقدم اور قرآن کو مؤخر کرنا چاہیئے السنة قاضية على الكتاب وليس الكتاب بقاض على السنة — کیونکہ سنّت برتر ہے (اور اسے آگے ہی بڑھانا چاہیئے) اور قرآن فروتر ہے (اور اسے پیچھے ہی ہٹانا چاہیئے) اور برتر یا فیصلہ کن کو ہمیشہ فروتر پر فوقیت رہتی ہے۔

(الاعتبار للحازمی طبع منیر دمشقی ۱۳۴۶ھ قاہرہ۔ ص۱۷)

یحییٰ بن ابی کثیر کے الفاظ اپنے مفہوم میں واضح اور ابلاغ معانی میں غیر مبہم ہیں اور اس نے بجا طور پہ ناسخین قرآن کے موقف کو جامع صورت میں پیش کرتے ہوئے ان کے دل کی آواز سنا دی ہے کہ جس طرح جیب جسٹس کو اپنے غیر کی رائے پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اسی طرح نصّ قرآنی جس کا مفہوم حدیث سے ٹکراتا ہو وہ بھی مرجوح اور ناقابل التفات ہے۔ العیاذ باللہ! [1]

قرآن کو منسوخ کرنے کا یہ سارا اہتمام اس لئے کیا گیا تھا کہ اس نظریئے کو تسلیم کئے بغیر ان صدہا احادیث کا معاملہ نازک صورت اختیار کر جاتا جو ان حضرات کے نزدیک قرآنِ حکیم کے خلاف مفہوم کی حامل تھیں، یا یہ کہ فقہی قواعد ان آیات کے آزاد مطالب کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

گروہی اساس پر قرآن کا نسخ

عقیدۂ "نسخ فی القرآن" کے اختراع کنندگان کی نفسیات سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے وسعتِ نظر کے باوجود وسعتِ ظرف کا ثبوت نہیں دیا اور جہاں کہیں ایک ہی موضوع کی دو یا متعدد آیات میں تھوڑا سا غور طلب معاملہ پیش آیا، وہاں افلا یتدبرون القرآن (محمد ۲۴۔ نساء ۸۱) کے الٰہی انتباہ سے صرف نظر کرتے ہوئے بلا تأمل ایک آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کا درجہ دے ڈالا بلکہ اکثر تو ایسا بھی ہوا کہ پارٹی حمایت کے جذبے سے متاثر ہو کر لکھ دیا کہ: "یہ آیت ہمارے نزدیک منسوخ اور شافعی کے نزدیک غیر منسوخ ہے۔"

(تفسیرات الاحمدیہ۔ ملاں جیون شائع شدہ خاریطوف صوبہ (JAZAN) قزان (روس) ۱۹۰۴ء ص۱۷۔ سطر ۲۲ تا ۲۶) یا یہ کہ:

"یہ آیت ہمارے مسلک کی رُو سے منسوخ نہیں ہے اور شافعی کے نقطۂ نظر سے منسوخ ہے۔" (کتاب مذکور ص۱۹ سطر ۲۲ تا ۲۳)

اس ضمن میں ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ —— وحی الٰہی کی غیر محدود وسعتوں، بے پایاں گہرائیوں اور نورانی مطالب

---

[1] غالباً اسی سے شہ پا کر ایف۔ ڈی مُلّا نے "اصول شرع محمدی" میں لکھ دیا ہے کہ "انگریزی قانون، شریعتِ محمدیؐ کو منسوخ کر سکتا ہے کہ خود مسلمان بھی فقہی احکام کے ذریعہ قرآن کو منسوخ تسلیم کرتے آئے ہیں۔"

پرنیا اُٹھانے کے لئے جن دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے ان میں قرآنِ پاک ہی کی دو آیتوں کو بھی پیش کیا جاتا ہے یعنے قرآن کا ابطال خود قرآن ہی کے الفاظ ہیں ـــــ (جیسا کہ فصلِ اوّل کی تفاصیل سے واضح ہو گا)

دامن تعبیر کوتہ اور دفترِ شکایات طولانی ہے اور بقول کسے

تن ہمہ داغ داغ شد
پنبہ کجا کجا نہم

اپنے بزرگوں کی کن کن باتوں کا رونا رویا جائے اور ان کی ملفوظات کے کیا کیا نمونے دکھلائے جائیں۔

انہوں نے آیاتِ قرآنی کے طے شدہ معانی اور احکامِ الٰہی کے تحریف شدہ مفاہیم کو جس چابک دستی سے جسدِ اسلام کے رگ و ریشہ میں رچا اور بسا دیا ہے۔ ایک طویل عملِ جراحی کے بغیر اس کے مفاسد اور زہر آلود اثرات کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس مقصد کے لیے ـ زیرِ تالیف کتاب کو میں نے دو ابواب میں تقسیم کیا ہے تاکہ تسہیلِ مباحث کے لئے آپ ان اصولوں اور ضوابط سے آگاہ ہو سکیں یا واضح الفاظ میں یہ کہ ـــــ نسخ کے "طلسمی ہیکل" کی تعمیر میں جن نقشوں اور معماری کے اصولوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے انہیں سمجھنے کے لئے آپ ہمارے طریقِ کار اور منصوبہ بندی کو ذہن میں رکھ سکیں۔ اس غرض کے لئے میں نے پہلے باب کو دس فصلوں میں تقسیم کر کے اپنے آئندہ کے پروگرام کو عملی شکل دے دی ہے اور دوسرے باب میں ان تمام آیات کی تفصیل پیش کی گئی ہے جنہیں منسوخ بتلایا گیا ہے۔ اس باب میں سینکڑوں ان مسائل اور مباحث کی تحلیل بھی کی گئی ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ناقابلِ تحلیل اور منسوخ تھے ـــ میرا یہ طولانی سفر دو سو کتابوں کی رہنمائی میں چودہ ماہ کی مدت میں اختتام پذیر ہوا اور اس کا تمام تر مسودہ خانہ کعبہ میں ترتیب دیا گیا، جیسے کہ ہر منسوخ کے ساتھ تاریخ وار اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

اس ضمن میں امکانی حد تک یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ علمی اور اخلاقی معیار سے گری ہوئی کوئی بات نہ کہی جائے اور دلائل کے ضمن میں کمزور اور بےسیپیشھے ماخذوں سے رجوع نہ کیا جائے۔ یہ شیوہ انہی لوگوں کا ہے جن کو تحریر و قلم کی بدنصیبی ورثے میں ملی ہے تاہم جواب اور "ردِ عمل" کی نفسیات کو نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ایسی اضطراری تلخی کہیں محسوس ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں اور ملتمس ہوں کہ آڑ بنا کر میری طرف شکوک و شبہات کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔

ضروری وضاحت

میں نے اس سفر کے دوران جن پُرخار وادیوں میں رہ نوردی کی ہے، جادہ پیمایانِ علم و تحقیق کے لئے شاید یہ زحمت بری نئی نہ ہو لیکن تشنگانِ علومِ قرآنی جو کہ ان پُر پیچ راہوں سے کم ہی واقف ہوں گے۔ ان کی آگہی کے لئے ایسا عام فہم اسلوبِ تشریح اختیار کر لیا گیا ہے جس سے کم سے کم صلاحیت اور استعداد رکھنے والا بھی مستفید ہو سکے۔ کیونکہ اہلِ علم تو اس سے ہی بخوبی اندازہ کر سکتے تھے کہ دو آیات میں سے ایک کو جب منسوخ کے خانے میں ڈال کر دوسری کو ناسخ کے درجے میں رکھا گیا تو دونوں ہی آیتوں کی حیثیت متعین ہو گئی اور مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن جن کی علمی سطح اتنی بلند نہ ہو، معلومات کا دائرہ محدود اور

اسلامیات کے بارے میں بطورِ خاص محدود تر ہو تو ان کے لئے ضروری تھا کہ ہر منسوخ کے ساتھ وضاحت بھی کر دی جاتی۔ لہذا اس غرض کے لئے میں نے ہر منسوخ آیت کا پہلے نمبر دے کر بعد میں اس کا حوالہ بمع ترجمہ دیا ہے تاکہ اس معیار کے قارئین کے لئے بھی پہلے ہی مرحلہ پر آیت کی پوزیشن مقرر ہو سکے۔ اس کے بعد عنوان " دلیل ناسخ " کی ذیل میں ناسخ آیت کو بمع ترجمہ نقل کیا گیا ہے، پھر عنوان " وجہ تنسیخ " میں دونوں آیتوں کے تقابلی مفہوم کو ملحوظ رکھ کر ان وجوہات کی وضاحت کی گئی ہے، جن کی روشنی میں " تنسیخ " کا احتمال یا امکان تسلیم کر لیا گیا ہے۔ آخر میں " قول فیصل " کے عنوان سے تمام ان شکوک شبہات کا جائزہ لے کر نسخ کے ہر گونہ امکان کا ازالہ کیا گیا ہے۔ ضمناً جو مباحث ایسی زیرِ بحث آیت کی ذیل میں معاون ہو سکتے تھے ان سے بھی رجوع کیا گیا ہے تاکہ ہر پہلو سے بحث مکمل ہو، تشنگی باقی نہ رہے اور اسی طرح ایک عام سطح کا آدمی جب بھی قرآن سے دلچسپی لینا چاہے تو اس کی پذیرائی کا پورا اہتمام میسر و موجود ہو۔

لیجئے حرفِ آغاز ختم ہو گیا۔ مباحث کی تفصیل حاضر ہے۔

رحمت اللہ طارق

ادارۂ "ادبیاتِ" اسلامیہ

اندرون پاک دروازہ۔ ملتان

نوٹ

یہ سفرِ جلیل ۲۲ ۶ تا ۱۹۶۳ء کو اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ اتنا طویل عرصہ مکروہاتِ زمانہ کے باعث نظرِ ثانی اور حک و اضافہ کی مہلت نہ مل سکی اور آج اسے جستہ جستہ نظرِ ثانی کے بعد جوں کا توں خوانندگانِ محترم کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ مجھے اپنی خامکاریوں کے اعتراف میں کوئی عار نہیں۔ البتہ خوانندگانِ محترم سے التماس ہے کہ میری لغزشوں کو خوردہ گیری سے فاش نہ کریں خود ہی اصلاح کا کام سرانجام دیتے جائیں۔ — شکریہ!

فصلِ اوّل

آیۂ - ماننسخ - ناسخین قرآن کی پہلی دلیل

تحقیق کے سیاہ پردے میں قدیم مفسروں اور ان کے اتباع میں جدید محققوں نے آیۂ "ماننسخ" کے مخصوص معنے تجویز کر رکھے ہیں اور عقیدۂ " نسخ فی القرآن " کی سند خود قرآن پاک ہی سے ڈھونڈ کر اسے ہدف مقصود بنایا ہے سوال یہ ہے کہ آیۂ مذکورہ اس معنی و مفہوم کے متحمل ہو سکتی ہے ؟ اس کا جواب نفی ہی میں ہے ـــــــ آیئے حقیقتِ حال سے پردہ اٹھ جانے سے پہلے ان آیات کا سلسلہ وار متن اور مفہوم ملاحظہ فرمایئے . ارشاد ہے کہ :

مایود الذین کفروا من اہل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ہ ماننسخ من آیۃ ، او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر ہ الم تعلم ان اللہ لہ ملک السماوات والارض وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر ہ ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل ہ (بقرہ ۱۰۴ تا ۱۰۸)

ترجمہ : اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ، وہ اور مشرک دونوں نہیں چاہتے ، کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر خیر و برکت (یعنی وحی الٰہی) نازل ہو (اور اس لئے وہ طرح طرح کے شک پیدا کر کے تمہیں سچائی کی راہ سے باز رکھنا چاہتے ہیں) لیکن اللہ کا قانون اس بارے میں انسانی خواہشوں کا پابند نہیں ہو سکتا وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے اور وہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے ۔

ہم اپنے احکام میں جو کچھ بدل دیتے ہیں ، یا فراموش کرا دیتے ہیں (تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ، جس پر لوگوں کو حیرانی ہو) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں (اگر وہ ایک مرتبہ تمہاری ہدایت کے لئے حسب ضرورت احکام بھیج سکتا ہے تو وہ یقیناً اس کے بعد بھی ایسا کر سکتا ہے) اور پھر کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے آسمان اور زمین کی سلطانی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہارا دوست اور مددگار رہو ؟ پھر کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے بھی

(دین کے بارے میں) ویسے ہی سوالات کرو جیسے اب سے پہلے موسیٰ سے کئے جا چکے ہیں (یعنی
جس طرح بنی اسرائیل نے راست بازی کی جگہ کٹ حجتیاں کرنے اور بلاضرورت باریکیاں نکالنے
کی چال اختیار کی تھی، تم بھی اختیار کرو۔ سو یاد رکھو) جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پا کر پھر اسے کفر سے
بدلے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اور فلاح و کامیابی کی منزل اس پر گم ہو گئی۔

(ترجمان القرآن ۱/۲۴۷-۲۴۸)

محولہ آیات اور ترجمے سے واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کا جو مفہوم ناسخین قرآن متعین کرتے ہیں وہ اس سے
ہرگز متبادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ:

نحوی تحلیل

زیر بحث آیت کو نحویوں کی اصطلاح میں الجملة المكونة من فعل الشرط وجزاءه
کہتے ہیں۔ یعنے ایسی عبارت جو فعل کی شرط اور جزا سے مل کر بنی ہو ــــ اسے اردو میں اس طرح
واضح کیا جا سکتا ہے:

(الف) اگر آپ کی یہ چیز ضائع ہو گئی تو

(ب) آپ اس سے بہتر یا اس جیسی اور نئی مجھ سے لے لیں۔

اس عبارت میں پہلا فقرہ شرطیہ اور دوسرا جزائیہ ہے ــــ مقصد یہ کہ چیز ضائع نہ ہونے کی صورت میں نہ
بدل ہے نہ معاوضہ ــــ کیونکہ شرط کے فقدان کی صورت میں جزا کا وجود از خود ہی غیر ضروری ہو جاتا ہے۔

اس مسلمہ نحوی قاعدے کی روشنی میں آیۂ ما ننسخ کی تعبیر یہ ہو گی کہ:

(الف) نہ تو کسی آیت میں تبدیلی اور فراموشی لاحق ہوئی اور

(ب) نہ ہی عوض کے طور پر پہلے سے بہتر یا اس جیسی آیت نازل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

امام فخرالدین رازی (متوفی ۶۰۹ھ) جو کہ خود بھی مبدأ نسخ کے قائل تھے۔ زیر بحث آیت کی ذیل میں
فرماتے ہیں کہ:

پہلے تو میں بھی اثبات نسخ کے لئے اسی زیر بحث آیت کی طرف رجوع کیا کرتا تھا۔ لیکن تفسیر لکھتے
وقت مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ میرا استدلال کمزور تھا کیونکہ "ما ننسخ" کی "ما"
شرط اور جزا کا فائدہ دیتی ہے۔ عربی میں کہتے ہیں کہ من جاءك فاكرمه جو بھی آئے،
اس کی تکریم کرو۔ اب اتنا کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی کا تشریف لانا حاصل بھی ہو ــــ ؟
اس کے معنے تو یہی ہو سکتے ہیں کہ ــــ جب بھی کوئی تشریف لائے؟

فكذا هذه الآية لا تدل على حصول النسخ بل على انه متى
حصل۔

پس اسی طرح یہ آیت بھی کسی طرح کے نسخ پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے صرف اتنا ہی مترشح ہوتا ہے کہ جب بھی نسخ واقع ہو تو ______

(تفسیر رازی طبع مصر ۱۹۳۵ء جلد ۳/ ۲۵۴)

امام رازی کی اس نحوی تصریح سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اثبات نسخ پر زیر بحث آیت کو اپنے نظریہ کا محور بنایا تھا ان کی سب سے کمزور دلیل بھی یہی تھی۔ وھوالمقصود۔

مفسرین کا انحراف

مفسرین حضرات اس نحوی قاعدے کو تسلیم کر لینے کے باوصف آیۂ زیر بحث کی جو تفسیر کرتے ہیں اسے ہم اصول اور قواعد سے کھلے انحراف سے تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ اپنے طے شدہ مفہوم کو زبانِ خدا پر جاری کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

ہم کسی آیت کے الفاظ باقی رکھ کر اس کے حکم میں تغیر نہیں لاتے (ما ننسخ من ایۃ) یا اس کے الفاظ اور حکم دونوں کو ذہنوں سے فراموش نہیں کراتے (او ننسھا) مگر اس صورت میں کہ اس سے بہتر یا اس جیسی آیت کو اتارتے ہیں (نات بخیر منھا اومثلھا) جو کہ ہمارے بندوں کے حسب حال ہو اور ایسا کر لینے کے بعد اس کے الفاظ باقی رہیں اور حکم باطل ہو جائے ___ یا الفاظ اور حکم دونوں ہی نہ رہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مفسروں کی یہ تشریح جملۂ شرطیہ کو اپنے سیاق و سباق سے کاٹ کر رکھ دیتی ہے، پھر یہ آیات الٰہی لفظاً اور حکماً منسوخ ہو گئیں ___ یا ___ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ذہن سے محو کر دی گئیں۔ ایسی بے وزن اور مضحکہ خیز بات ہے جسے اعتقادی سطح پر کوئی بھی سلیم العقل آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔

شانِ نزول کا سہارا

خود ایجاد کسی شانِ نزول کا سہارا لینے والے مزید کہتے ہیں کہ منکرین قرآن کا یہ اعتراض تھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ اپنے ہی احکام میں نسخ کو جاری رکھے؟

اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ:

نسخ فی الاحکام ہماری قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کا لازمی عنصر ہے اور بلاشبہ اللہ ہی ہر شے پر قادر ہے اور اسے کسی حکم کو باطل (منسوخ) کر کے کسی دوسرے حکم کو نازل کرنے میں عجز و درماندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا وغیرہ

یہ حضرات اس تشریح کے ذریعے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ:

منکرین حق کا رد کر دینے کے بعد اللہ سبحانہ نے زجر و توبیخ اور ڈرانے دھمکانے کا ایسا انداز منتخب فرمایا جس سے مرعوب ہو کر وہ لوگ ضرور ہی تسلیم کر لیں اور قرآن محکم میں اس کا واقع ہونا قدرت کاملہ سے بعید نہ سمجھیں۔ یعنے فرمایا کہ:

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ ارضی و سماوی کائنات پر صرف ذات مطلق ہی کی فرمانروائی اور حکومت ہے
اور اس کے سوا تمہارا کون حامی و ناصر ہے ؟

کون معترضین ؟ مفسّر حضرات نے جس محنت شاقہ اور دماغی کد و کاوش سے وحی الٰہی کو بے نور ثابت کرنے کے لئے ایک فرضی شانِ نزول کو حقیقت بنا دینے کا جو فریضہ سرانجام دیا ہے اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ :

سیرت نبوی کے لاکھوں صفحات اور تاریخ اسلام کی سینکڑوں مجلدات میں اس قسم کا ایک آدھ اشارہ تک بھی نہیں ملتا جس سے معلوم ہو سکتا ہو کہ مشرکین مکہ یا منکرین حق کو ایسا کوئی معارضہ تھا یا معارضہ کا وہم گذرا تھا ؟

ثانیاً یہ کہ —— اسلام کی ابتدائی سوسائٹی میں کوئی بھی ایسی بات نہیں اتری جس کا تعلق "حلت" سے تھا اور بعد میں اسے حرام کر دیا گیا ؟ —— نہ مکہ میں نہ مدینہ میں ؟ —— اور جب ایسا نہیں ہوا، ترنیخ قرآن کو تسلیم کرانے کے لئے ڈرانے اور دھمکانے کی غرض سے فرضی آیات کا نزول کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے ؟

رکاکتیں ہی رکاکتیں اوپر جس شانِ نزول کا خلاصہ دیا گیا ہے، فنی "معاییر" پر پرکھنے کے بعد لفظی رکاکتوں معنوی اضطراب اور تعبیر کے گہرے نقائص کا مجموعہ ثابت ہو جاتا ہے اور آیہ زیر بحث کو بے ربط بنانے کے لئے اس کے رشتوں کو ماقبل اور مابعد سے بالکل کاٹ کر رکھ دیتا ہے. کیونکہ آیات کی ابتداء اس انداز سے کی گئی ہے کہ :

اہل کتاب و مشرکین کسی حال میں بھی اسلام کی بہتری و سربلندی نہیں چاہتے اور نہ ہی مسلمانوں کے لئے کسی بھلائی کے خواہاں ہیں۔

گویا کہ —— آیت کا سیاق اہل کتاب کے معاندانہ موقف کی ملامت پر مشتمل ہے ——
اور اس میں صاف اشارہ ہے کہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں بڑے ہی تعنت اور کٹ حجتی سے کام لے رہے اور آپ سے یہودیوں کی طرح غیر ضروری سوالات کر رہے تھے .
یعنے آیت کے آخری فقروں (سباق) میں ایک معنے خیز انداز میں فرمایا کہ ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل۔
یعنے —— تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے (دین کے بارے میں) غیر ضروری سوالات کرو جیسے کہ یہودی موسیٰ علیہ السلام سے کرتے رہے ہے ؟

—— غور فرمایئے ان دونوں فقروں (سیاق و سباق) کے وسط میں ما ننسخ کا فقرہ واقع ہے. علماً تفسیر کے نقطۂ نظر سے اس کی پوزیشن کیا رہ جاتی ہے ؟

صحیح تعبیر مقام کی مناسبت سے ذیل میں ہم امام جلیل شیخ محمد عبدہ (متوفی ۱۹۰۵ء) کی تفسیر کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اہل علم آیہ کریمہ کی سچی تفسیر معلوم کر کے خود ہی اندازہ کر لیں کہ علماء حضرات کا موقف کتنا کمزور اور بودا ہے؟ یہ تفسیر ایک ایسے زاویہ سے بحث کرتی ہے جو بہت سی سطح بین نظروں کی رسائی سے باہر ہے یعنے قدیم تفاسیر کے برعکس یہاں آیہ کے معنی ۔۔۔ دلائل اور براہین کئے گئے ہیں۔ مفتی مرحوم فرماتے ہیں کہ:

والآیۃ فی اصل اللغۃ ھی الدلیل والحجۃ والعلامۃ علی صحۃ الشیٔ و سمیت جمل القرآن آیات لانہا باعجازہا حجج علی صدق النبیؐ ودلائل علی انہ موید فیہا بالوحی من اللہ عزوجل۔ من قبیل تسمیۃ الخاص باسم العام۔

یعنے "آیت کے لغوی معنے ہیں:

دلیل، حجت اور کسی شے کی صحیح دریافت کرنے کی علامت کے ۔۔۔ اور قرآنی فقروں کو اس معنے میں آیات کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل اپنی اعجازی صلاحیتوں کی وجہ سے نبی علیہ السلام کی صداقت کے لئے حجتیں اور براہین کی حیثیت رکھتی ہیں اور دلائل ناطقہ ہیں اس بات پر کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی سے موید اور منصور ہیں۔

یہاں آیت کو عام کہہ کر خاص مراد میں استعمال کیا گیا ہے یا یہ کہ مقصود تو نبی علیہ السلام کی تائید و نصرت ہی تھی مگر انداز "تعبیر" عام اختیار کیا گیا۔

اب رہا یہ سوال کہ کس طرح معلوم ہوا کہ "آیہ" سے مراد نبی علیہ السلام کی تائید ہی مطلوب تھی؟ تو اس کا جواب یہود کی مضمرات میں تلاش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہودیوں کو رسالت محمدیہ میں اس بنا پر شک تھا کہ ان کے عقیدے میں نبوت تو صرف بنی اسرائیل ہی کے حصے کی چیز ہے وغیرہ

ان کے اس زعم باطل اور دعوئے فاسد کہ ۔۔۔ لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ من الآیات ۔۔۔ کا الزامی رنگ میں یہ جواب مرحمت فرمایا کہ:

موسٰے کو جو آیات (براہین نبوت) ملی تھیں کیا انہوں نے اس سے انکار نہیں کیا؟ **(یقیناً کیا تھا!)**

اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل؟

یہاں یہودیوں کے اس قول میں آیات ۔۔۔ بمعنی دلائل و براہین نبوت استعمال ہوئے ہیں اسی طرح زیر بحث آیات میں مومنوں کی اس جماعت سے خطاب ہے جن کے قلوب و اذہان کو ریب و تشکیک کے اثرات سے یہودی متاثر کر رہے تھے گویا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرمانا چاہتے تھے کہ:

جس طرح رب العزت کی قدرت کاملہ نہ تو محدود ہے اور نہ ہی کسی خاص دلیل کی پابند ۔۔۔ اور مخصوص براہین میں مقید ہے ۔۔۔ اسی طرح اس کی حجت بالغہ بھی کسی سابقہ دور میں محصور ہو کر نہیں رہتی تاکہ آگے بڑھ نہ سکے ۔۔۔ (اللہ) تو اس پر قادر ہے کہ جو آیات (و براہین) موسٰے کو عطا ہوئی تھیں ان

سے بہتر اور افادی حیثیت سے مثبت دلائل آج بھی لا سکتا ہے یا ان جیسے ہی سہی ___ اور ایسا کرنے میں اس کی قدرت کبھی عاجزی کا شکار نہیں ہوئی نہ ہی اس کی حکمرانی سے کوئی نکل سکتا ہے۔ اس کی رحمت کسی ایک قوم کے حق میں خاص نہیں ہے کہ انبیاء و مرسلین اسی ہی گروہ سے ہوتے چلے آئیں۔
کلا ان رحمته وسعت کل شیئ۔ اللہ کی رحمت نے کائنات کی ہر شے کو گھیر رکھا ہے

(خلاصہ از تفسیر "المنار" طبع اول مصر جلد ۱ / ۴۱۷)

مفتی مرحوم کی اس نورانی تفسیر نے فکر و نظر کے مزید گوشے واضح کئے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن حمید کا معاملہ اس سے بہت ہی اونچا وارفع ہے کہ ہم اپنے فہم ناقص اور عقل خام سے جس طرح چاہیں جب چاہیں بے تکلف نسخ کی خراد پر چڑھاتے جائیں آپ کی ژرف نگہی ملاحظہ ہو۔ آیہ "ماننسخ" کی ذیل میں کیا ہی فکر انگیز بات کہہ گئے ہیں کہ:

جب ہی ہم نے کسی دلیل کو نسخ کیا تو اس کی جگہ دوسرے نبی کی صداقت پر ___ دوسری دلیل لے آئے، اور سابقہ دلیل کو کسی اور نبی کی تائید کے لئے چھوڑ دیا۔

اس کے معنے یہ ہوئے کہ سابقہ دلیل اگر کسی نبی کی صداقت کے نہیں لائی گئی تو اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ ___ وہ دلیل ہی باطل اور منسوخ ہوگئی؟

صحیح تفسیر ایک اور زاویہ سے

امام ہدایت سر سید اعظم (متوفی ۱۸۹۸ء) فرماتے ہیں کہ:

ہر ایک شخص جس کے مزاج میں کج فہمی نہیں ہے وہ اس آیت کو اور اس سے پہلی آیت کو پڑھ کر سیدھا اور صاف مطلب سمجھ سکتا ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ___ " اہل کتاب اس بات کو دوست نہیں رکھتے کہ خدا کی طرف سے تم پر کچھ بھلائی اترے اور بھلائی سے علانیہ مراد قرآن اور احکام شریعت ہیں۔
اہل کتاب جو اس بات کو دوست نہیں رکھتے اس کی صاف صاف دو وجہیں تھیں، اول یہ کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں گذرے تھے اور ان کو پسند نہیں تھا کہ بنی اسماعیل میں جن کو وہ بالطبع حقیر بھی سمجھتے تھے، کوئی نبی پیدا ہو اس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ___ اللہ مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے ___
دوسری وجہ یہ تھی کہ احکام شریعت محمدی کے۔ موسوی شریعت کے احکام سے کسی قدر مختلف تھے ___ اور یہودی اپنی شریعت کی نسبت یہ سمجھتے تھے کہ وہ دائمی ہے اور کبھی کوئی حکم اس کا تبدیل نہیں ہونے کا ___ اس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ
جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس کی مانند یا اس سے بہتر آیت دیتے ہیں۔ ___
اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدی میں تبدیل ہوگئے یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیوں نے بھلا دیا تھا وہ مراد ہیں۔

ہمارے اکثر مفسرین نے نہایت کج بحثی سے اس آیت میں جو لفظ "آیۃ" ہے اس کو قرآن مجید کی آیتوں پر محمول کیا ہے — اور سمجھا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو جاتی ہے — اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ننسھا کے لفظ سے یہ قرار دیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بعض آیتوں کو بھول بھی گئے تھے اور ان دو لفظوں یعنے ننسخ — اور — ننسھا کی بناء پر جھوٹی اور مصنوعی روایتوں کے بیان کرنے سے اپنی تفسیروں کے ورق کے ورق سیاہ کر دیئے ہیں مگر ان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر القرآن سر سید مرحوم طبع ۱۸۹۱ء لاہور، جلد ۱/۱۷۵)

نیز

ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اترا وہ بے کم و کاست موجودہ قرآن میں جو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہے اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے اور نہ ہی قرآن مجید کی کوئی آیت "منسوخ" ہے۔

(حوالہ مذکور ۱/۱۷۶)

سید اعظم کی تفسیر سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یہاں آیت سے تورات اور انجیل کے احکام ہی مراد ہیں بلکہ امام ابو مسلم اصفہانی (متوفی ۳۲۴ھ) نے بھی اسی ہی خیال کا اظہار فرمایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر بھی نورانی ہے اور اتحاد مقصد کے بعد تعبیر کا مختلف انداز ایسی چیز نہیں ہے جس سے اصل مقصد پر زد پڑتی ہو — سید اعظم ہوں یا مفتی مرحوم نقطۂ ماسکہ دونوں کا انکار نسخ ہی ہے اور دونوں ہی اس پر متحد ہیں کہ آیت کا سیاق — مایود الذین کفروا سے شروع اور سباق ام تریدون ان تسئلوا سے لے کر سواء السبیل تک ہے اور دونوں کے مابین ما ننسخ والی آیت واقع ہے لہذا جو لوگ اپنی مقصد برآری کے لئے اصول شکنی کرتے اور مربوط آیات کا ربط توڑ کر بے جوڑ ٹکڑوں میں بانٹ دیتے ہیں وہ اسلام کی خدمت نہیں خدمت کے سیاہ پردوں میں قرآن پر ظلم کرتے ہیں۔

اور ہاں سید اعظم نے اپنے بلیغ انداز میں بالکل ہی سچ فرمایا ہے کہ جھوٹی اور مصنوعی روایتیں بیان کر کے "ننسخ" اور ننسھا کا خرافیانہ مفہوم متعین کیا گیا ہے اور اس کی تصدیق کے لئے آئندہ کے اوراق حاضر ہیں۔

خرافیانہ تفسیر کا ایک نمونہ

امام ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۶ھ) ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کو اگر وحی نازل ہوتی تو دن ہوتے ہی آپ بھول جاتے تھے۔ اس پر اللہ سبحانہ نے حقیقت حال واضح کر دی کہ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا

اے محمدؐ وحی الٰہی کے فراموش ہو جانے کے جس خدشہ سے آپ دوچار ہیں اس میں آپ کے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ

ہم خود ہی نسخ اور نسیان کا رول ادا کر رہے ہیں

(ابن کثیر مع البغوی طبع "المنار" پریس قاہرہ جلد ۱/۱۷۵ تا ۱۷۶)

تحلیل حضرت ابن عباس کی یہ تفسیر واضح کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ رسالت میں معصوم نہیں تھے اور اخذِ قرآن میں خام ذہن تھے، معاذ اللہ! کیونکہ اس روایت کی روشنی میں آپ کو اپنی ہی وحی فراموش ہو جاتی اور اپنے ہی حواس جواب دے جاتے تھے۔ ثم معاذ اللہ! — اور آپ کے اسی ہی نسیان پہ پردہ ڈالنے کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے حقیقی نسخ اور انسأ سے تعبیر فرماتے ہوئے تصدیق مزید فرما دیتے ہیں، کہ وحی رسالت کے نسخ ونسیان کے ہم ہی ذمہ دار ہیں۔ ؟

ہماری ناقص رائے میں اس تفسیر کو درخورِ اعتنا سمجھنے میں دیگر خرابیوں کے علاوہ بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے قرآن پاک کے صریح ارشادات سے انحراف اور تکذیب لازم آتی ہے — ارشاد ہے — سنقرئك فلا تنسیٰ، ہم اپنا کلام ناقابل فراموش بنا کر آپ کو تعلیم کر دیں گے — اس واضح اور صریح فرمان الٰہی کی موجودگی اور انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون کی ضمانت کے باوصف ابن عباس کی تفسیر پہ عقیدہ رکھنا حقیقت پسندی کے سراسر منافی ہے۔

ابن عباس کی اس روایت کے بارے میں سید اعظم کی طرح علامہ محمد عبدہ مرحوم بھی فرماتے ہیں کہ ولاشك عندی هٰذه الروایة مكذوبة وان مثل هٰذا النسیان محال علی الانبیاء لانهم معصومون فی التبلیغ والآیات الكریمة ناطقة بذالك۔

میرے نزدیک عباسی روایت جھوٹی اور باطل ہے اور انبیاء علیہم السلام سے اس قسم کے نسیان کا صادر ہونا محال اور قطعاً ناممکن ہے — انبیاء کرام تبلیغ رسالت میں محفوظ اور حفظ آیات میں معصوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وحی الٰہی کی واضح آیات اس پر ناطق اور گواہ ہیں۔

(تفسیر المنار طبع اول جلد ۱/ ۴۱۵)

امام طبری کی رائے شیخ المفسرین امام محمد بن جریر طبری (متوفی ۹۲۳ء) لکھتے ہیں کہ سنقرئك فلا تنسیٰ وغیرہ آیات کی موجودگی میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعۃً ہی اپنی وحی بھول جاتے رہے تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ فراموش شدہ آیت ہمیشہ کے لئے ذہنوں سے محو ہو کر رہ گئی اور رسول اللہ کے ذہنوں سے محو ہونے کے باعث ہی قرآن پاک میں درج نہ ہو سکی — اگر نسیانِ وحی کا یہی معیار سامنے رکھا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام ذیل کی آیات پڑھتے رہے اور ان کو فراموش نہیں ہوئیں اور ایسا ہونا بجائے خود دلیل ہے کہ ابن عباس یا دیگر مفسرین کی تاویل سراسر غلط اور مردود ہے۔

اس کے بعد ابن جریر نے محولہ آیتوں کا اس طرح تعارف کرایا ہے۔ مثلاً

۱ بلغوا عنا قومنا ان لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا

(تفسیر طبری طبع دار المعارف مصر جلد ۲/ ۴۷۹)

۲۔ لوکان لابن آدم وادیان من مال لابتغی لہما ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب۔

(حوالہ مذکورہ ۲/۴۰۸۔ نیز ملاحظہ ہو مسلم طبع مصر ۱/۲۸۶ تفسیر درالمنثور جلد ۱/۱۰۵ وغیرہ)

ابن جریر کا تبصرہ واضح کرتا ہے کہ صحابہ کرام کے ذہنوں سے جب غیر قرآنی آیات محو نہ ہو سکیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن سے خود قرآن پاک ہی کی آیات ہمیشہ کے لئے محو تسلیم کر لی جائیں ——؟

یہاں طبری کا استدلال بھی بتلا رہا ہے کہ "ما ننسخ" کے نزول کا ایسے کسی واقعہ سے تعلق ہی نہیں ہے جو نتیجہ کے لحاظ سے نسخ ہی کا غماز ہو۔ اس لحاظ سے امام ابن جریر طبری نے جس مقصد کو سامنے رکھ کر "خرافیانہ" تفسیر کی تردید کی ہے وہ یقیناً قابلِ صد ستائش ہے لیکن بطور مثال جن آیات کو آپ نے پیش کیا ہے ان کی قرآنیت سراسر مشتبہ مشکوک اور جھوٹ ہے۔ تفصیل کا یہ مقام اگرچہ نہیں ہے تاہم قطع نظر اس کے کہ متروکہ آیات کی اصلیت کیا ہے؟ —— الفاظ کا اختلاف ہی ان کی حقیقت واضح کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مثلاً نمونے کی پہلی آیت کو دیکھئے کہ ہمیں انا لقینا ربنا کو مختلف روایات میں اضافہ "قد" کے ساتھ انا قد لقینا ربنا تحریر کیا گیا ہے۔

(فتح الباری طبع بولاق ۷/۱۹۷ مسلم طبع مصر ۱/۱۸۷-۱۸۸)

حالانکہ وحی الٰہی میں اختلاف نہ ہونا چاہئے۔

اسی طرح دوسری متروکہ آیت: وادیان من مال کی بجائے وادیان من ذھب کے الفاظ سے بھی مروی ہے۔ (ابن کثیر مع البغوی طبع المنار ۱/۱۷۳/۱۷)

اور یہ اختلاف اور تضاد بجائے خود ان کے کلام الٰہی ہونے کی نفی کر سکتا ہے، یہ علاوہ اس کے کہ "ما ننسخ" کی تفسیر میں ابن عباس کی طرف منسوب روایت کی سند کے تمام راوی مجروح اور کچھ مجہول ہیں ماسوائے عکرمہ کے، اور عکرمہ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے "مقدمہ فتح الباری" میں دفاع کرنے کے باوصف جو نتائج دیا ہے یا امام نقید، علامہ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں جو تفصیل دی ہے اس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ عکرمہ بڑا ہشیار چالباز اور مکار انسان تھا جس نے اپنی فاسد اغراض کی تکمیل کے لئے ابن عباس ہی کو اکسپلائٹ کر رکھا تھا بلکہ ابن عباس کے فرزند کے بقول۔ اس شخص نے ابن عباس کے نام پر جھوٹ کو حقیقت بنا کر پیش کرنے میں خاص مہارت حاصل کر رکھی تھی۔

(تفاصیل ملاحظہ ہوں باب دوم منسوخ ۲۴)

پھر اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو بھی عقل اسے باور نہیں کر سکتی کیونکہ نسیاں کا تعلق انسان کے داخلی وصف سے ہے جس کی پہچان سے ابن عباس یقیناً معذور رہے۔ آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باطنی وصف (بلکہ عیب) سے متصف اور ملوث بھی تھے؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس سے بنفس نفیس اس عیب کا اعتراف کیا تھا؟ جب کہ آپ وفات نبوی صلعم کے وقت کم سن بچے ہی تھے۔ ہے کوئی جو اس رازِ سربستہ کو منکشف کرے؟

خرافیانہ ایک اور روایت

ذیل میں ایک اور روایت کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو سابقہ خرافیانہ مفہوم کو پختہ اور مؤکد کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ امام طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے سالم عن ابیہ کے ذریعہ بیان کیا ہے کہ

قرأ رجلان سورتان اقرأهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان يقرأن بهما فقاما ذات ليلة يصليان فلم يقدرا منها على حرف فاصبحا غاديين على رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرا ذالك له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انها مما نسخ وانسي فالهوا منها فكان الزهرى يقرأها ما ننسخ من آية او ننسها۔

یعنی

دو (نامعلوم) اشخاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ دو سورتیں نماز میں ہمیشہ تلاوت کرتے رہے لیکن ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ وہ دونوں صبح کو بیدار ہو کر جب نماز قائم کرنے لگے تو (پوری کوشش کے باوجود) تعلیم کردہ سورتیں تلاوت نہ کر سکے جس سے بہت ہی سراسیمہ اور سخت پریشان ہو کر صبح ہوتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام ماجرا بیان کر دیا۔ آپؐ نے سارا واقعہ سن کر فرمایا کہ: یہ سورتیں دراصل اس قبیل کی تھیں جن کے بارے میں "نسخ" اور "انساء" کا قانون وضع ہوا ——
چنانچہ (اس کے بعد نامعلوم دو) صحابہ نے فراموش سورتوں کا خیال ترک کر دیا۔
امام المفسرین والمحدثین محمد بن شہاب زہری (متوفی ۱۲۴ھ) اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے پڑھا کرتے تھے، ما ننسخ من آیۃ او ننسھا یعنے فراموش شدہ سورتیں اسی الٰہی قانون کے مطابق ہی منسوخ اور ذہنوں سے محو ہو گئی تھیں۔ (ابن کثیر مع البغوی جلد ۱/ ۲۷۴)

جائزہ

یہ روایت بھی اپنے مفہوم میں اس خیال کی توثیق کرتی اور مفہوم بندی سے واضح کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زیر بحث آیت کے اس ٹکڑے سے قرآن کا منسوخ ہونا ہی مراد لیتے تھے۔

لیکن افسوس کہ یہ روایت اس قابل ہی نہیں کہ اس کی بنیاد پر قرآن میں نسخ کا عقیدہ رکھا جا سکے۔ امام ابن کثیرؒ نے یہ روایت نقل کر کے ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی ہے کہ اس کا ایک راوی سلیمان بن ارقم (متوفی ـــــ) ضعیف تھا۔

ابن کثیر کی اس وضاحت کے بعد کچھ کہنا غیر ضروری تھا مگر ابن کثیرؒ نے سلیمان کے عیب کو اٹھانے کے لئے ایک اور سند بیان کر دی ہے جو ان کے خیال میں ابن ارقم والی سند کی بہ نسبت غیر مجروح اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے ذغیرہ

امام موصوف کے اس رویہ سے شبہ گزرتا ہے کہ کوئی سادہ لوح یہ سمجھنے میں پس و پیش نہیں کرے گا کہ دو نامعلوم صحابیوں والی روایت ضرور کوئی اصلیت رکھتی ہے؟

لہٰذا اس شبہ کے ازالہ کے لئے دونوں اسناد کا فنی جائزہ لینا ضروری ہو جاتا ہے جو بالفعل حاضر ہے۔

پہلی سند

امام طبرانی فرماتے ہیں: اخبرنا ابو سنبل عبد اللہ عبد الرحمان بن واقد اخبرنا ابی اخبرنا العباس بن الفضل عن سلیمان بن ارقم عن الزھری عن سالم عن ابیہ قال قرأ۔

اس روایت کے کچھ راویوں ابو سنبل عبداللہ اور عباس بن الفضل کے ضعف و گمنامی پر تمام ائمہ رجال اور نقادانِ فن متفق الرائے تھے۔ رہے سلیمان بن ارقم اور امام زہری تو امام زہری کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ آپ بایں جلالتِ شان انتہا درجے کے مدلس تھے۔ (طبقات المدلسین طبع مصر ۱۳۲۲ھ ص۱۵)

اور قاعدہ یہ ہے کہ مدلس اگر اپنے استاد سے حرف "عن" کے ساتھ روایت کرے تو ایسی روایت مردود و ناقابلِ اعتبار ٹھہرے گی۔ چنانچہ زہری کو دیکھ لیجئے کہ اسی حرف "عن" کے ساتھ اپنے استاد سالم سے روایت کر رہے ہیں۔ جس سے ہمارے اس اندیشے کو تقویت ملتی ہے کہ یہ روایت ضرور ہی مجروح ہے کیونکہ زہری تو اتنا بھی نہ کرسکے کہ قرآن پاک کی دو سورتوں کے فراموش ہونے کے واقعہ کے لئے گمنام کرداروں کو آگے بڑھانے سے پرہیز کرتے۔

اب روایت ہذا کے ایک اہم کردار سلیمان بن ارقم سے ملئے کہ یہ حضرت امام ابن کثیر جیسے سلفی مفسر کے نازل الفاظ میں ضعیف تھے اور یہ ابن ارقم جو بڑے بڑے محدثین کے استاد بھی تھے اور شاگرد بھی، ان کے بارے میں ایک سلفی مدرسۂ فکر کی جانب سے آتی رائے بھی ہمارے نزدیک بڑی وقعت رکھتی ہے، خاص کر امام ترمذی نے کہا ہے، کہ اس کی احادیث متروک تھیں۔ امام احمد بن حنبل نے "ہیچ نہیں" سے تعبیر فرمایا۔ ابن معین نے کہا کہ لیس یسوی فلسا اس کی روایتیں کوڑی کے برابر بھی نہیں ہیں۔ عمرو بن علی الباہلی کہتے تھے کہ اس کی روایتوں کو دوسرے جانتے بھی نہیں تھے۔ امام المحدیث امام بخاری نے لکھا ہے کہ محدثین نے اس کی روایات کو ناقابلِ اعتماد سمجھ کر ترک کر دیا تھا۔ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اسکی روایتیں "بیڑا غرق" نوعیت کی ہیں، آجری، ابوحاتم، ابن خراش اور بہت سے محدثین نے اس کی روایات کو متروک قرار دے دیا تھا، جوزجانی، حاکم، دارقطنی، عمرو بن علی الفلاس، ابن عدی اور امام مسلم نے اسے "ساقط" "متروک الحدیث"، پایۂ اعتبار سے گرا ہوا اور منکر الحدیث کے سرٹیفکیٹ سے نوازا ہے۔ یعقوب بن سفیان، اس کی روایت سے دائماً منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ ابن حبان نے اس راز سے اس طرح پردہ اٹھایا کہ:

یہ شخص ثقہ لوگوں کے نام پر جھوٹی اور وضعی احادیث تراش لیا کرتا تھا اور مزید سنئے کہ یہ سلیمان بن ارقم حافظ شیرازی کے بقول: ع

چوں بخلوت میروند آں کارِ دیگر میکنند

کارگہِ خلوت کے شناور بھی تھے یعنی درسِ حدیث کے ساتھ ساتھ عجمی فیض بھی جاری کر رکھا تھا۔ امام محمد بن عبد اللہ الانصاری (متوفی سنہ ۲۰۳ھ) فرماتے تھے کہ:

ہم جب گبھرو (امرد) تھے تو اس وقت لوگ ہمیں سلیمان بن ارقم کے پاس جانے سے روکتے تھے

ابن حجر نے کہا ہے کہ محمد بن عبد اللہ الانصاری نے مزید انکشاف کیا کہ:

سلیمان بن ارقم خوب صورت لونڈوں سے ۔ .... وذکر عنه امراً عظیماً۔

(تہذیب التہذیب طبع اول دکن جلد ۴/ ۱۶۹/۱)

دوسری سند

امام ابوبکر انباری (متوفی ۳۲۹ھ) روایت کرتے ہیں کہ :

عن نصر بن داؤد عن ابی عبید اللہ عن عبد اللہ بن صالح عن اللیث عن یونس وعقیل عن ابن شہاب عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف (ابن کثیر مع البغوی ۱/ ۱۲۴)

اس کا پورا سلسلہ حرف "عن" کے ساتھ قائم ہے جو اصطلاح محدثین میں "انقطاع" پر دلالت کرتا ہے۔ خاص کر پہلے دو راویوں کو چھوڑ دیئے کہ ان کا کتب رجال میں کہیں بھی تعارف نہیں ہے۔ اب رہے عبداللہ بن صالح المصری تو ان کا مختصر تعارف حاضر ہے۔

عبداللہ بن صالح مذکور ثقہ ہونے کے باوصف محدثین کرام نے لکھا ہے کہ تغیّر بآخرہ فکان یغلط بڑھاپے میں اس کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا جس کی وجہ سے غلط بیانی یا غلط روایتیں بیان کیا کرتا تھا بلکہ غیر ارادی طور پر جھوٹ بھی بول لیتا تھا۔ لا یتعمد الکذب الاسھوا ۔ امام ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ اس کی حدیثیں خانہ پری کے طور پر لکھ لی جائیں مگر حجت کے قابل نہیں۔ امام نسائی نے اسے غیر ثقہ اور یحییٰ بن سعید نے "لیس بشیء" کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے کہ تاریخ حجاز کے بارے میں اس کے پاس جتنی احادیث ہیں میں انکی نفی (اور تکذیب) کرتا ہوں۔ اسی عبداللہ میں دوسرا عیب یہ تھا کہ امام مالک سے بے بنیاد روایتیں کیا کرتا تھا یعنے امام موصوف پر دیدہ دانستہ جھوٹ بول لیتا تھا۔

اسی طرح یہ روایت کرتے ہیں لیث بن سعد بن عبد الرحمن فہمی سے اور لیث کی حالت یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان اس سے بے حد سوء ظن رکھتے تھے یہ غالباً اس لئے کہ لیث مذکور اساتذہ کے انتخاب میں متساہل اور غیر محتاط تھے مثلاً وہ یونس بن یزید الایلی (جو کہ اس سند میں بھی واقع ہے اس) سے بھی روایت کرتے تھے جس کا حال یہ ہے کہ بتصریح امام احمد منکر احادیث بیان کیا کرتا تھا۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ یونس کی احادیث ناقابل حجت ہیں۔ یہ راوی تو صحاح ستہ کے تھے مگر کہا جاتا ہے کہ اس کی سب سے کمزور روایت وہی ہوتی تھی جو اس نے ابن شہاب سے روایت کی ہوتی جیسا کہ زیر تنقید سند میں ہے۔ واللہ اعلم۔

یونس کے ضعف کو ختم کرنے کے لئے امام انباری نے عقیل بن خالد کا نام بھی پیش کیا ہے لیکن عقیل کی متابعت (اور پشتیبانی) بھی اس مقام پہ بے سود ہے کیونکہ اس نے ابن شہاب سے ایک لفظ بھی نہیں سنا لکھے لکھائے کسی مجموعہ سے روایت کرنے کی اجازت لے رکھی تھی، تاہم اگر اسے ابن شہاب کا شاگرد ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی امام المحدثین ابن شہاب اس پلے کے نہیں تھے کہ ان کی روایت بغیر سماع ہی کے قابل قبول ہو کیونکہ آپ غالی قسم کے مدلس تھے (طبقات المدلسین طبع مصر ص۱۵) اور یہاں اسی ہی تدلیسی انداز سے روایت کرتے ہیں ابی امامہ سے۔ ادھر قاعدہ یہ ہے کہ غالی قسم کا مدلس جب حرف "عن" کے ساتھ اپنے استاد سے روایت کرے تو وہ مردود ہے۔

امید ہے کہ دونوں اسناد کے راویوں کی پوزیشن معلوم ہوجانے پر خرافیانہ تفاسیر کی حقیقت واضح ہو چکی ہوگی

قرآن سراپا خیر ہے

ان جائزوں، تنقیدوں اور فنی وضاحتوں کے باوجود اگر ہم عامۃ المفسرین کی رائے کے مطابق آیت سے مراد قرآنی آیات ہی لے لیں، براہین، دلائل اور آیاتِ تورات کے مفہوم میں استعمال نہ کریں تو پھر فرمایا جائے کہ ہمارے پاس کون سی دلیل باقی رہ جاتی ہے جو قرآن پاک کی بعض آیات کو دوسری آیات کے مقابل "خیر" کہیں یا ایک حکم کو دوسرے سے بہتر اور حسب حال قرار دیں ؟ قرآن پاک تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے آپ کی صفت ہے۔ کیا خدا کی بعض صفات کو "خیر" اور بعض کو "لاخیر" سے موسوم کیا جاسکتا ہے ؟ ۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری یوں تو عام مفسروں کی طرح قائلین نسخ ہی میں سے تھے، لیکن لفظ "خیر" کی تعبیر میں ان کا اندازِ بیان ہمارا ہی مؤید ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ :

وغیر جائز ان یکون من القرآن شیئ خیر من شیئ لان جمیعہ کلام اللہ ولا یجوز فی صفات اللہ تعالیٰ ذکرہ۔ ان یقال لبعضہا افضل من بعض وبعضہا خیر من بعض

قرآن پاک میں سے کسی ایک شئے کو کسی اور شئے کے مقابل خیر (بہتر) کہنا غلط اور ناجائز ہے کیونکہ قرآن پاک سراسر کلام الٰہی اور اللہ کی صفت ہے اور صفاتِ الٰہی کے بارے میں یہ کہنا جائز ہی نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کو بعض پر کسی طرح افضلیت حاصل ہے یا یہ کہ بعض صفات دوسری صفات کی بہ نسبت "خیر" ہیں۔

(تفسیر طبری، دار المعارف مصر ۲/ ۴۸۳ / ۱۷ تا ۱۹)

امام طبری کے یہ الفاظ غماز ہیں کہ سلفِ صالحین جب بھی ڈوب کر کلماتِ الٰہی میں غور و فکر سے کام لیتے تو ان کے منہ سے قرآن کی عظمت اور بلاغت کا بے ساختہ اقرار ہو جاتا تھا۔ امام موصوف کے ان بصیرت افروز کلمات کی روشنی میں آیات قرآنی کے نسخ کا معاملہ کسی حد تک کھٹائی میں پڑ جاتا ہے کیونکہ یہاں اکثریت کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ :

" منسوخ آیت سے ناسخ آیت بہتر (اور خیر) ہے "

(طارق حرم مکی، ۱۱ جولائی ۱۹۶۲ء)

ناسخین قرآن کی دوسری (۲) قرآنی دلیل

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ

نسخ کی تعریف میں متعدد بار واضح کیا جا چکا ہے کہ علمائے تفسیر نے منجملہ دیگر توجیہات کے ایک تعریف یہ بھی کی ہے کہ۔ ابطال الشیئ وزوالہ واقامۃ آخر مقامہ۔

کسی شئے کو زائل اور باطل کر کے اس کی جگہ دوسری کو برقرار کر دینا بھی نسخ ہے (قرطبی)

جو لوگ ناسخ و منسوخ کو اس اساس پر مانتے ہیں کہ ناسخ (آخری) حکم کے بعد منسوخ (سابقہ حکم) باطل ہو گیا۔ وہ اصل میں ایک وہم کے شکار ہیں اور اپنے غلط عقیدے کو یہ سمجھ کر سہارا دے رہے ہیں کہ

جب آخری نص نے سارا کام ہی تمام کر دیا تو اب نہ اختلاف رہا اور نہ تناقض کا خوف باقی اور نہ ہی کسی طرح کی عملی دشواری؟

بظاہر تو یہ توجیہہ بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے، لیکن ایک مؤمن صادق جب اس کی مضمر خرابیوں کا خالی تصور ہی کرنے لگ جاتا ہے تو اس کے جسم کا رُواں رُواں کھڑا ہو جاتا ہے اور حواس مرتعش ہونے لگ جاتے ہیں، کہ یا اللہ! باطل کے نفوذ اور سرایت کرنے کا یہ تصور اور تیری مقدس اور محکم کتاب کے بارے میں۔؟ **العیاذ باللہ!**

سنّت اللّٰہ

جس موہوم تناقض کی آڑ میں نسخ آیات پر زور دیا جا رہا ہے غالباً اس پر غور نہیں کیا گیا کہ: شریعتوں کے اساسی قوانین خواہ وہ کسی بھی معاملہ میں ہوں ایسی باریکی اور "دقت" سے ترتیب پاتے ہیں کہ ان کی ہر ہر آیت اپنے ماحول میں قابل عمل اور گوارا ہوتی ہے اور جب وہ ماحول نہیں رہتا تو اس آیت کی جگہ دوسری آیت ایک مناسب توجیہہ کے ساتھ لے لیتی ہے۔ اسی طرح جب بھی سابقہ آیت کے لئے دوبارہ ماحول سازگار ہوتا ہے تو آئندہ اس کی ہی روشنی میں عمل کا میدان تیار ہو جاتا ہے۔ یہ سنت اللہ ہے۔ اسے کسی طرح کے تضاد اور تناقض سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔

کیا اس منفرد اور باریک ترتیب یا شریعت میں درجہ بدرجہ کی پالیسی کو نسخ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

ایک مثال

دوا جس تشخیص کی رو سے قابل استعمال ہوتی ہے اس حد تک یقیناً مفید ہے، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تشخیص تو ایک ہی ہے مگر مزاج کے اختلاف سے دوا کی تبدیلی لازم ہو جاتی ہے، لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ سابقہ دوا کسی دوسرے مریض کے موافق بھی نہیں آ سکتی، یا یہ کہ اس کا مفعول بیکار اور اثر زائل ہو گیا ہے؟ پس یہ کہنا معقول نہیں ہو سکتا کہ سابقہ دوا مضر اور ہمیشہ کے لئے ناقابل استعمال ہو گئی؟

اب آیئے! قائلین نسخ کی دوسری قرآنی دلیل کی طرف جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ:

سابقہ حکم کے ابطال اور نئے حکم کے اثبات کا قانون خود قرآن محکم کی حسب ذیل آیات سے بھی مستنبط ہو سکتا ہے بلکہ امام فخر الدین رازی مرحوم کا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ اثبات نسخ کے لئے زیر بحث آیت ہی قابل رجوع ہو سکتی ہے (تفسیر رازی طبع قاہرہ ۱۹۳۵ء جلد ۳ / ۱۵۶)

واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ واللہ یعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون ٥ قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین آمنوا وھدی وبشری للمسلمین (نحل ۱۰۱ تا ۱۰۲)

اس آیت کا مفہوم عنوان "ترجمہ" میں آ رہا ہے۔ ذیل میں شان نزول کی حقیقت ملاحظہ ہو:

شانِ نزول

مفسر حضرات فرماتے ہیں کہ:
مکے کے مشرکین کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی قوم سے عجیب مذاق سوجھی ہے کہ آج انہیں جو کچھ سناتے ہیں کل اس ہی سے روک دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص افترا پرداز ہے جو کہتا تو اپنے جی سے ہے اور منسوب کرتا ہے اپنے رب کی طرف۔ اس پر اللہ سبحانہ نے مشرکین کے اس خیالِ باطل کا رد کرتے ہوئے زیرِ بحث آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر قرطبی طبع دار الکتب مصر جلد ۲/ ۶۱)

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں میں نے بہت سی کتابوں کی چھان پھٹک کی تاکہ صحیح شانِ نزول کا سراغ مل جائے اور صحیح سند کے ساتھ کسی صحابئ رسول ؐ تک پہنچے مگر دُرِ منثور، قرطبی، ابنِ کثیر، بحرالمحیط اور غرائب القرآن وغیرہ دیکھ لینے کے باوصف میرا مقصد حل نہ ہوسکا۔ مجھے کوئی بھی ایسی سند نہیں مل سکی جو مذکورہ بالا شانِ نزول کی اساس بن سکے۔ غرائب القرآن کے ابوالحسین (متوفی سنہ ۱۲۱ھ) قمی نے ابن عباس کا حوالہ ضرور دیا ہے مگر اس کی سند نہ تو اس نے خود بیان کی ہے اور نہ ہی بااسناد تفاسیر میں اس کا نشان و پتہ ملتا ہے۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ صحابۂ کرام کا دامن مذکورہ بالا شانِ نزول کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اب رہے سیدنا ابن عباس تو (بشرطِ ثبوت) کہا جاسکتا ہے، کہ سورۃ نحل مکی ہے اور مکی بھی اس دور کی جب کہ حضرت ابن عباس ہنوز پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ لہذا ابن عباس کے نام پر آیۂ زیرِ بحث کا پس منظر تجویز کرنا مشکوک اور مشتبہ ہے۔ اس کی ذمہ داری آپ پر عاید نہیں ہوسکتی اور اگر کہیں سے اس کا سراغ مل بھی جاتا تو بھی دیکھنا یہ ہوتا، کہ قرآنِ پاک کی بے قید ہدایات اور آزاد اسلوب ہدایت کو کسی طرح کے اسباب نزول کی زنجیروں میں جکڑا جاسکتا ہے؟ ہمارے نزدیک اسلاف کا دامن اس سے پاک ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بااعتماد شاگرد جناب عبیدہ بن قیس الکوفی (متوفی سنہ ۶۹۱ھ) سے روایت ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی اسبابِ نزول کا سوال اٹھاتا تو آپ اسے سختی سے جھٹک دیتے اور فرماتے کہ:

علیک باتقاء اللہ والسداد۔ فقد ذھب الذین کانوا یعلمون فیم انزل القرآن

خدا سے ڈرو اور اس سے اپنی خامیوں کی اصلاح کرو۔ جو لوگ قرآن کے مخاطب اور حسب حال آیات کے نزول کا مشاہدہ کرنے والے تھے وہ تو چلے گئے، اب دوسرا کوئی نہیں جو اس معاملہ میں تمہاری رہنمائی کرے۔

(ابن سعد طبع لیڈن (ہالینڈ) جلد ۶/ ۶۶)

پانچ مزید شانہائے نزول

قرطبی (۲/ ۶۱) کے حوالے سے پہلا شانِ نزول آپ ملاحظہ فرماچکے۔ ذیل میں مفسرین کی ژولیدہ فکری کے مزید شاہکار ملاحظہ ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

آیۂ اذا بدلنا (زیرِ بحث) اور آیہ ما ننسخ (جس پر بحث ہوچکی دونوں) کی شانِ نزول (و پس منظر) ایک ہی ہے اور دونوں کا تعلق نسخ ہی سے ہے۔ بقول طبری۔ پانچ اسناد سے مجاہد ایک سے قتادہ اور ایک سے ابن زید نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ دونوں آیتوں کے پس منظر ایک ہی جیسے ہیں۔ ادھر آپ آیہ ما ننسخ کی شان ہائے نزول کے سلسلہ میں معلوم کر چکے کہ اس کے اسباب نزول بھی مختلف ہیں مثلاً

۱۔ جو منکرین حق تھے وہ عقیدہ نسخ فی القرآن کی نفی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ایسا کرنا شانِ الٰہی سے بعید ہے وغیرہ ایسے ہی لوگوں کے جواب میں یہ آیات ہیں۔

۲۔ رسول اللہ کو اپنی ہی رات کی وحی صبح کو اور دن کی شام کو فراموش ہو جایا کرتی تھی اور کہ

۳۔ دو نامعلوم صحابیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ سورتیں اس خوبی سے فراموش ہو گئی تھیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی انہیں بھلا بیٹھے تھے۔

۴۔ بلکہ آیۂ ما ننسخ کی شانِ نزول میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق تحویل قبلہ سے ہے یعنی قبلہ کی سمت تبدیل کرنے کا واقع پیش آیا تو اعتراض کرنے والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ عجیب شریعت ہے کہ ردّ و بدل کا وسیع سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ وغیرہ

آئیے ! پس منظر کے بنے ہوئے اس جال میں وحی الٰہی کو مقید رکھنے والوں کی خیال آفرینیوں پر ہماری ذیل کی معروضات ملاحظہ ہوں۔

پس منظر کے تعدد اور ایک ہی آیت کے بارے میں توجیہات کی اس بہتات سے واضح ہوتا ہے کہ نسخ فی القرآن کے اختراع کنندگان کے ذہن میں کوئی ٹھوس، باوقار اور متعین مقصد موجود نہیں تھا وہ یہی چاہتے تھے، کہ ان آیات کے لئے متعدد پس منظر تراش کر لوگوں کو باور کرایا جائے کہ نسخ فی القرآن کا نظریہ خود قرآن ہی نے پیش کیا ہے اور بس۔ واقعات کی منطقی ترتیب اس کا ساتھ دے یا نہ دے اس سے ان کو کوئی غرض نہیں تھی۔

اب فرض کرو دوسری آیت کے پس منظر بھی وہی ہیں جو کہ پہلی آیت کے ضمن میں بیان ہوئے تو واقعات اس کی صحت سے ابا کرتے ہیں کیونکہ تحویل قبلہ کا واقعہ مشہور معنے میں اگر تسلیم کر لیا جائے تو مدینہ منوّرہ ہی میں پیش آیا تھا اور آیۂ نحل جس کے لئے یہ پس منظر تجویز کرلئے گئے ہیں۔ تاریخ نزول کے لحاظ سے کئی برس پہلے مکۃ المکرمہ ہی میں نازل ہو چکی تھی، لہٰذا شانِ نزول میں جس تاریخی تسلسل کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا چاہیے اس کا یہاں کوئی بھی امکان نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے شانہائے نزول جو آیۂ ما ننسخ کے ضمن میں بتائے جاتے ہیں ان کی تنقیح اپنے مقام پر ہو چکی۔ یہاں نہ تو آیۂ زیر بحث سے ان کا کوئی جوڑ معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی کسی طرح کی مطابقت۔ لہٰذا ان جیسی شانہائے نزول کا ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے کہ۔ ان کے تجویز کنندگان اپنے اپنے فہم اور پسند کے مطابق وحی الٰہی کو نازل کرتے رہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

یہ الگ سی شانہائے نزول جو سراسر مفسرین کی ذہنی اپج کے غماز ہیں۔ آج تک وثوق کے ساتھ نہ تو ان میں سے کسی "ایک" کا تعین ہو سکا ہے اور نہ ہی آیۂ زیر بحث کے کسی "حقیقی" پس منظر سے ہم آہنگی دکھلائی جا سکی ہے لہٰذا ان کے اختراع کنندگان کی "فکری آوارگی" اور "ذہنی عدم توازن" اس بات پر برہانِ قاطع ہے کہ پوری تگ و تاز کے

کے باوصف معاملہ ہنوز ریب و تشکیک کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔

قرطبی کی خیال آفرینی

مفسر قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) نے جب محسوس کر لیا کہ شانہائے نزول کے تعدد و اختلاف کے باعث پانی مرتا نظر نہیں آتا تو آپ نے مفسروں کے ایک مشہور قاعدۂ نسخ کو سامنے رکھ کر آیۂ "اذا بدلنا" کے لیے اپنے جی سے ایک پس منظر تجویز کر ڈالا، اور اگر ایسا نہیں تو پھر کسی کے گھڑے ہوئے پس منظر پر صاد ضرور کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

کچھ لوگ (جو مسلمان ہوں گے) جب محسوس کرنے لگے کہ بعض منسوخ شدہ نرم احکام کے بدلے کچھ سنگین اور شدید نوعیت کے احکام دیئے گئے ہیں تو ان کے دل پر یہ خیال ابھرا کہ ایسا ہونا قانونِ یُسر کے خلاف ہے۔

قرطبی اسی پس منظر کو ملحوظ رکھ کر وضاحت کرتے ہیں کہ:

"احکام میں ایسا تغیر و تبدل ضروری نہیں کہ "سخت" احکام کو منسوخ کر کے "سہل" احکام نازل کرنے پر منتج ہو یا یہ کہ لوگوں کی رغبت اور منشاء کے مطابق ہی ہوں۔ نہیں یہاں تو ایسا بھی ہوا کہ سہل احکام منسوخ کر کے دشوار احکام دیئے گئے۔ نظر بہر حال بندوں کی مصلحت پر ہوتی رہی ہے۔"

(خلاصہ از تفسیر قرطبی طبع دار الکتب مصر جلد ۲/ ۶۱ طبع اوّل)

قرطبی کی اس مغالطہ آفرینی سے واضح ہوتا ہے کہ آیۂ زیر بحث کسی کافر اور منکرِ حق کا جواب بن کر نہیں بلکہ ان مسلمانوں کا منہ بند کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے جو نسخ کے لیے یُسر کے خواہاں تھے یا کم از کم ان غیر مسلموں کے ہمنوا ضرور رہے تھے جو اپنے تخریبی ذہن کے باعث مسلمانوں کو نرم احکام کے بدلے سنگین احکام دیئے جانے پر اکسا رہے اور بدراہ کر رہے تھے۔ قرطبی کی اس خیال آفرینی کے جواب میں "نظرات فی القرآن" کے مصنف فاضل اجل محمد الغزالی کا خیال افروز جائزہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ یہ خیال آفرینی کسی طرح بھی آیۂ زیر بحث کی شانِ نزول نہیں بن سکتی۔ موصوف فرماتے ہیں کہ:

> ایک منصف مزاج ادنیٰ تأمل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ نظریۂ تنسیخ آیات کے پس منظر میں جو کچھ مشرکین عرب کی طرف منسوب ہے مفتعل (خود ایجاد) اور بناوٹی ہے۔ آیۂ کریمہ (نحل ۱۰۱) کے اسباب نزول میں کوئی دخل نہیں ہے۔

فسورة النحل مكية وليس فيما نزل قبلها من الوحى الالٰهى حكم نسخ باشق منه او باهون؟ حتىٰ يكون ذالك مثار لغط بين المشركين؟ او اعتراض على القرآن بما يقع فيه من تناقض.

اين الحلال الذى حرم؟

او الحرام الذى احل قبل سورة النحل؟

ان شيئًا من ذالك لم يحدث فضلا عن يستفيض فضلا

عن ان یتندر بہ المشرکون و ینسبوا بہ محمدا الی الافتراء؟ بل نحن نجزم بان مشرکی مکۃ لم یدر بخلدھم شیئ من ھذا الذی جعلہ بعض المفسرین سببا لنزول الآیۃ وانما ھو تنزیل الآیات علی آراء الفقہاء والمتکلمین وتحمیل القرآن علی ما لا تتحملہ آیاتہ ولا الفاظہ من معان و مذاھب۔

کیونکہ سورۃ النحل مکی ہے جس سے پہلے کسی وحی کا سراغ نہیں ملتا جو نا قابل برداشت احکام کو منسوخ کرنے کے لئے اتری ہو۔ یا نرم احکام کو سخت احکام میں بدل جانے کا حکم لے کر نازل ہوئی ہو تاکہ مشرکین مکہ کے لئے کسی طرح کی چہ میگوئیوں کا جواز نکل آتا ہو یا اس کے باعث قرآن میں تناقض اور تضاد کا اعتراض وارد ہو سکتا ہو۔ اگر کسی کے پاس اس کا ثبوت ہے تو اسے بتلانا ہوگا کہ سورۂ نحل کے نزول سے پہلے کا

کہاں ہے وہ حلال جسے حرام بنا دیا گیا ؟

اور کہاں ہے وہ حرام جسے حلال کر دیا گیا؟

تجزیہ کرو تو ان میں سے کوئی بات بھی وقوع پذیر نہیں ہوئی لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے مشرکین مکہ نے آڑ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف افتراء کی نسبت کی ہے؟

اس بناء پر ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بعض مفسرین نے آیۂ نحل کے نزول میں جن اسباب و عوامل کا سہارا لے کر اثبات نسخ پر استدلال کیا ہے ان میں سے ایک بھی ایسا عامل نہیں ہے جو مشرکین کے وہم و گمان میں گزرا ہو؟ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے فقیہانہ کٹ حجتی اور متکلمانہ کج بحثی ہی کا نتیجہ ہے۔ یعنی شانِ نزول نہیں قرآن محکم کی آیات کو فقہاء اور متکلمین کی رائے کے مطابق ڈھالنے اور ان کی خواہش کے تابع اتارنے کے مترادف ہے اور "بتکلف" قرآن پاک کو ایسے امور کا حامل اور ذمہ دار بنانا ہے جو اس کے مزاج اور منشاء ہی کے خلاف ہوں اور جس کے الفاظ اس کے متحمل ہی نہ ہو سکتے ہوں نہ معانی کے لحاظ سے اور نہ ہی مذاہب کے نقطۂ نظر سے۔

(نظرات فی القرآن طبع دوم قاہرہ ص ۲۴۵ و ص ۲۴۶)

فاضل غزالی کی محققانہ جرح کے بعد راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ آیۂ ماننسخ ہو یا واذ بدلنا آیۃ مکان آیۃ۔ دونوں کا تعلق مجوزہ نسخ اور رٹے شدہ عقیدۂ ابطال قرآن سے نہیں ہے۔ ان آیات کے ذریعے حضرت باری عزّ اسمہٗ نے اپنے وسیع اختیارات، قدرتِ کاملہ اور کلی تصرّف کا اظہار محض فرمایا ہے۔ اس سے کسی خاص دلیل — خاص آیت — خاص برہان — خاص حکم — خاص لفظ — خاص کتاب — اور کسی خاص معجزے کا نسخ مراد نہیں بلکہ آیۂ "اذا بدلنا" سے متصل اگلی ہی آیت نے پس منظر اور پیش منظر سے نقاب کشائی کر کے معاملہ کو صاف اور واضح

واضح کر دیا ہے کہ

در اصل مشرکین عرب قرآن پاک کے ذاتی اعجاز کے قائل ہی نہیں تھے ان کا خیال تھا کہ قرآن پاک یا تو ، تورات اور انجیل کا چربہ ہے جس کی وجہ سے وہ معجز ہے یا یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے کسی اہل کتاب سے اڑا لیا ہے خود اس میں یہ استعداد نہیں ہے کہ ایسی معجز کتاب پیش کر سکے۔

اس غلط خیال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ :

اللہ عزّ اسمہٗ ۔ مشرکین سے زیادہ (اعجاز) کا علم رکھتے اور خود ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کی مخلوق میں سے کون اعجازی قوتیں دیئے جانے کا مستحق ہے اور کون نہیں ؟

اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر غور فرمایئے کہ یہ اعجاز (آیات قرآنی) قلوب انسانی میں ایمان کی انتشار اور تثبیت کے لئے کس قدر واضح اور سلجھی ہوئی طاقت رکھتا ہے ؟ ۔ ایسے میں یہ خیال کرنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ یا کسی عجمی سے رابطہ قائم کر کے استفادہ کیا اور پھر کتابی صورت میں الگ عنوان سے وحی اور معجزے کا نام دے دیا ، خود سوز اور مضحکہ خیز بات ہے ۔ عام سطح کے انسان اگر ایسی بات کہہ ڈالیں تو انہیں یقیناً جاہل اور عقل باختہ کہا جائے گا ۔

آیئے ! اب اسی پس منظر میں آیات زیر بحث کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :

ترجمہ اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے ؟ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو ، حالانکہ ان میں سے اکثروں کو معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے ؟

(اے پیغمبر) تم کہہ دو (یہ میرے جی کی بناوٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے) یہ تو فی الحقیقت تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے اتاری ہے اور اس لئے اتاری ہے کہ ایمان والوں کے دل جمادے فرمان برداروں کے لئے رہنمائی ہو اور (نجات و سعادت کی) خوشخبری ہو اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ یہ) کہتے ہیں کہ اس شخص کو تو ایک آدمی (یہ باتیں) سکھا دیتا ہے حالانکہ اس آدمی کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کر رہے ہیں عجمی ہے اور یہ صاف اور آشکارا عربی ہے ۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کرتے ، اللہ انہیں کامیابی کی راہ کبھی نہیں دکھاتا ۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوتا ہے ۔ (ترجمان القرآن جلد ۲/ ۳۳۴ تا ۳۳۶)

نگاہ بازگشت ناسخین قرآن کے دونوں قرآنی دلائل کی تحلیل کے بعد ایک بار پہلی دلیل "ما ننسخ" کو چشم تصور میں لا کر اس کا تجزیہ کیجئے کہ اس کے بغیر ممکن ہے آپ پھر کہیں گرداب نسخ میں پھنس کر معانی و معارف قرآن سے محروم نہ رہ جائیں ۔

اس آیت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا ۔ یہاں "ما" شرطیہ

جزائیہ ہے اور — ننسخ اس کی شرط ہے — اور نات بخیر منھا — ما شرطیہ کا جواب ہے ۔
اس تعلیل کی رو سے آیت کے معنی ہوں گے

"جب بھی نسخ واقع ہوا تو اس کے بدلے میں اس سے بہتر یا اس جیسی چیز لائی گئی" اب اتنا کہہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن پاک میں ضرور ہی کسی طرح کا نسخ واقع ہوا ہے ؟ خاص طور پہ وحی کا اسلوب خود ہی واضح کر رہا ہے کہ یہاں اللہ سبحانہٗ تغیر و تبدل کا ایک عام اصول بیان فرما رہے ہیں اور بس ۔ اور یہ عام اصول قرآن پاک کے خصوصی نسخ پر کسی طرح کی نص صریح کا کام ہرگز نہیں دے سکتا بلکہ نظر غائر سے دیکھا جائے تو یہ عام اصول الٹا عقیدہ نسخ کے ابطال پر نص صریح کا کام دے رہا ہے اور اس اصول کو سمجھنے کے لئے ذیل کی آیت ملاحظہ کرنی چاہیئے ۔

فان کنت فی شک مما انزلنا الیك — فاسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلك

الف ، (اے محمدؐ) ہم نے جو کچھ آپ پر نازل کیا ہے ، اگر آپ کو اس کی صداقت میں کسی طرح کا شک ہے ، تو

ب ، ان لوگوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے جو آپ سے پہلے کتاب اللہ (تورات) کی تلاوت کرتے رہے

اس آیت کا پہلا فقرہ (الف) شرطیہ ہے ۔ اگر شک ہو تو — لیکن چونکہ یہ شرط واقع نہیں ہوئی یعنے آپ کو وحی الٰہی میں شک نہیں گزرا لہذا اہل کتاب (ب) سے رجوع کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی ۔ اس قرآنی مثال سے آیۂ ماننسخ کی نحوی پوزیشن مزید واضح ہو جاتی ہے اور اسی ہی وجہ سے علمائے اسلام اور فخرالدین رازی نے کم از کم اس آیت سے نسخ فی القرآن کے اثبات کو ناقابل التفات ہی گردانا ہے ۔

اس جائزے کے بعد آیۂ ماننسخ کے معنی ہوں گے

"نہ تو "نسخ" اور "انساء" واقع ہوتے اور نہ ہی کسی طرح کا نسیاں لاحق ہوا ۔

لہذا ان کے بدلے قرآن سے بہتر یا قرآن جیسی کسی اور چیز کو بھی نہیں لایا گیا ۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے قرآن کی صورت میں جو کچھ عطا فرمایا اس میں سے ایک آیت کو "خیر" اور دوسری کو مقابلہ میں "لاخیر" کہا ہی نہیں جا سکتا ۔ قرآن سراپا خیر ہے اور

قرآن کے مساوی ایسا نزول جو کہ نسخ "مبدل منہ" کہلا سکے ۔ لغو اور بے ہودہ ہے کیونکہ درجے میں مساوی ہونے کی صورت میں نئے حکم کی فوقیت اور سابقہ حکم کی بلا وجہ مرجوحیت کوئی جواز نہیں رکھتی ۔

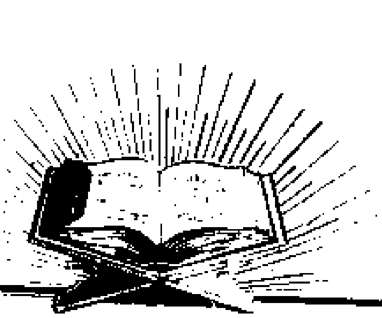

فصل دوم

ناسخینِ قرآن کے دیگر دلائل

نقلی دلائل میں خامکاری کے بعد علمائے اسلام نے اپنے زعم میں عقلی دلائل کا سہارا بھی لیا ہے۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اصولی طور پر عقل کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ رہا اس کے استعمال اور اس سے کام لینے کا معاملہ تو جس طرح یہ لوگ مسجد میں داخل ہوتے وقت جوتیاں باہر اتار کر جاتے ہیں اسی طرح عقل کو بھی علمی و تحقیقی دائرہ کار میں قدم رکھتے وقت باہر ہی چھوڑ آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

شریعت میں نسخ کا وجود نہایت ضروری ہے کہ ترقی پذیر معاشرت کے لئے یہ فارمولا ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن افسوس کہ یہ لوگ اتنی جگر کاوی اور دماغ سوزی کے باوصف کسی متلاشئ حق اور عاشقِ قرآن کی تشفی نہیں کرا سکتے امام شوکانی (متوفی ۱۸۳۴ء) جماعتِ اہلِ حدیث کے مسلّمہ پیشوا اور مسلک محدّثین کے ثقہ ترجمان مانے جاتے تھے، وہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "ارشاد الفحول" میں اثباتِ نسخ پر کچھ عقلی دلائل بھی لائے ہیں۔ لیکن امام محمد بن بحر (ابومسلم) اصفہانی کو ملاحیاں سنانے کے سوائے اپنے عقیدے کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد تجویز نہیں کر پائے۔

علامہ اصفہانی کے بارے میں ان کے ریمارکس یہ ہیں کہ انه جاهل بهذه الشريعة المحمدية۔ یعنے ابومسلم شریعت محمدیہ کے اسرار و رموز کے سمجھنے سے نہ صرف قاصر و عاجز تھے، جاہلِ مطلق بھی تھے! اور اسی جہل کے باعث ہی انکارِ نسخ پر عامل رہے وغیرہ۔

امام شوکانی نے معاملہ کی نزاکت کا احساس ختم کرتے ہوئے بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی کہ خود صحابہ کرام جو کہ عقیدۂ نسخ سے آشنا نہیں تھے وہ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ علامہ ابن القیم (متوفی سنہ ۱۳۵۰ء) وضاحت فرماتے ہیں کہ: "صحابہ کرام مطلق کو مقید اور عام کو خاص کرنے پر بھی نسخ کا اطلاق کیا کرتے تھے اور اس کے موجودہ (سائنٹیفک) مفہوم سے ناآشنا تھے"۔

ابومسلم کیوں جاہل تھے اور آیاتِ قرآنی میں کس دلیل سے نسخ کا اثبات ضروری ہو جاتا ہے؟

اس کی وضاحت میں کہا جاتا ہے کہ ان وجود نسخ الشرائع القديمة دليل وجوده في شريعة الاسلام۔

سابقہ شریعتوں میں نسخ کا اعتراف ایک گونہ شریعت اسلام میں نسخ کے وجود کی بڑی دلیل فراہم

کرتا ہے کہ یہ سلسلہ کہیں رکا نہیں ۔ (ارشاد الفحول طبع مصر ص[۲])

جائزہ ابو مسلم کو جاہل مطلق جیسے عامیانہ لہجہ میں یاد کرنے والے شوکانی کی اس توجیہہ نے خود ان کی عظمت کے حدود کا تعین بھی کر دیا کہ آپ باین جلالت شان خود بھی نسخ، اس کی مبادیات، اصول، ضوابط اور مزاج سے بے خبر محض تھے۔ وہ سائنٹیفک نسخ کے قائل ضرور تھے، مگر اس کے اثبات پر جن دلائل کا سہارا لیتے تھے وہ سطح بین آنکھوں میں اگرچہ دلائل تھے مگر تھے نہایت بودے، پھسپھسے اور علمی تقاضوں کو مجروح کرنے والے، فرض کر دکہ ان کی تعیین کے مطابق،

سابقہ شریعت میں نسخ کے اقرار کو شریعت اسلام میں بھی نسخ کا جواز ٹھہرایا جائے تو بھی ذیل کے حقائق اس کی نفی کرتے ہیں کہ

نسخ کا تعلق قوموں کے بدلے ہوئے تقاضوں، ترقی پذیر شعور اور عصری مزاج سے ہے۔ اور مزاج کے لیے گھنٹوں، لمحوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا عرصہ بالکل ہی غیر کافی ہے۔ اس کے لئے تاریخ کی عہد آفریں تبدیلیوں، سینکڑوں برس کی غیر شعوری انگڑائیوں اور کسی حد تک تبدیلی سست رفتار کروٹوں کا انتظار چاہیئے ایک ہی دن کی صبح کو اس کی شام سے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت اسلام جس کے احکام یکے بعد دیگرے تئیس برس کے مختصر وقفے میں نازل اور مدوّن ہوئے۔ ان پر عمل کرنے کی مہلت کو نظر انداز کر کے قدم قدم پر نسخ کی رکاوٹیں کھڑی کرنا معیوب سی بات ہے۔ اتنے سے کم عرصہ میں نسخ کے تصور، لامتناہی تسلسل اور غیر محدود پھیلاؤ کو تسلیم کرنے سے صدیوں کا تقاضائی تطور اور برسوں کا طبعی ارتقاء مانع ہے۔

اب اگر بحث کی خاطر امام شوکانی کے پیش کردہ اسی ہی معیار کو بنیاد ٹھہرایا جائے کہ نسخ میں امتوں کی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ ایک ہی دن کی صبح کو اسی ہی دن کی شام سے تو منسوخ کر سکتے ہیں۔ لیکن صدیاں گزر جانے پر حدیثوں میں نسخ تسلیم کر کے امت کی بے شمار مصلحتوں کا اعتراف نہیں کرتے۔ کیا اب نو بہ نو احکام سے مستفید اور سابقہ ناقابل عمل احکام سے گلو خلاصی کی ضرورت باقی نہیں رہی؟ کیا خدا اب احکام نازل اور منسوخ کرنے پر قادر نہیں رہا؟ ہم اتنے بدنصیب ٹھہرے کہ خدا ہمیں اپنی حکمتوں سے سرفراز کرنے میں بخل برتتا آیا ہے؟۔ کیا ہمیں نئی بصیرت اور نئی روشنی کی ضرورت نہیں ہے؟۔ زائد المیعاد اور ہماری مصلحتوں کے منافی احادیث میں ترمیم و تنسیخ کا خیالی تصور بھی کفر صریح اور انکار سنت سے تعبیر کرنا ان لوگوں کے فارمولۂ نسخ کی نفی نہیں کرتا؟ کیا احادیث مرور زمانہ کے باوصف ناقابل تغیر ہو گئی ہیں؟ کیا شریعت اسلام اب ترقی پذیر معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت نہیں رکھتی؟۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وحی الٰہی کو مختصر لمحوں میں منسوخ کہنے والے تیرہ سو سال گزرنے پر بھی غیر ضروری احادیث کا نسخ تسلیم نہیں کرتے؟ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد نسخ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ لہٰذا قرآن میں تو نسخ واجب ہے لیکن احادیث میں کفر صریح؟۔ تو حقیقت اگر یہی کچھ ہے تو ان پر لازم ہے کہ منسوخ القرآن کے لمبے وسیع و عریض لٹریچر میں ایک بھی ایسی آیت کا سراغ لگا لیں جسے رسول اللہؐ نے بہ نفس نفیس منسوخ کہا یا منسوخ کیا ہو؟۔ اگر وہ ایسا

نہیں کر سکتے تو بات صاف ہو گئی کہ نسخ کا اتنا وسیع سلسلہ چلانے کے لئے ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آلۂ کار کے طور پر ہی استعمال کیا ہے ؟ العیاذ باللہ ! کیا یہی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی مصلحتوں کا اعتبار نہ کر کے اپنے طرزِ عمل سے ثابت نہیں کر رہے، کہ نسخ دراصل ان کی اپنی ہی ذہنی اپج کا نام ہے۔ یہ اگر قرآن میں واجب ہے تو احادیث جو کہ سراپا اختلاف و تضاد کا مجموعہ ہیں ان میں واجب تر ہونا چاہئے۔ یہ بہانہ کوئی وزن نہیں رکھتا کہ وحی نبی اکرم کی زندگی ہی میں منقطع ہو گئی تھی۔ لہٰذا نسخ کا سلسلہ بھی آپ کی حینِ حیات تک ہی محدود ہونا چاہئے، کیونکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ انقطاعِ وحی کے بعد تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فلاں حکم منسوخ تھا اور فلاں ناسخ ؛ جبکہ آیاتِ قرآنی ایسی وضاحت سے خاموش ہیں ؟

نیز "وحی احادیث" بھی تو آپ کی حینِ حیات تک ہی محدود رہی، لیکن آپ نے ان میں کوئی نسخ تسلیم نہیں کر لیا تو کیا "علم رسول" اتنا ہی کامل و اکمل تھا کہ کسی طرح کے نسخ کا متحمل ہی نہ ہو سکتا تھا اور "علم الٰہی" میں اتنا ہی قصور اور عجز کا سراغ مل چکا تھا کہ اسے ہر قسم نسخ کے شکنجہ میں محبوس کر دیا گیا ؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

نسخ کا طاعون

حقیقت یہ ہے کہ نسخ کے کالے پردوں میں ان لوگوں نے قرآن پاک کے انقلابی مشن کا راستہ روک لینے کا جو خطرناک ڈرامہ کھیلنا چاہا تھا وہ مجبور تھے کہ ہر حیلے اور بہانے سے وحی قرآن ہی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو نسخ کا دراصل طاعون لگ گیا تھا اور مرض لاعلاج کی طرح قرنہا قرن سے ان لوگوں کے دل صحت اور سلامتی سے محروم ہو چلے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس طرح ان کا مرض نہ صرف بڑھتا ہی رہے گا، ان کو تباہ و برباد کر دینے کے بعد ایمان پر زندہ و قائم رہنے بھی نہیں دے گا۔

قرآن سے مذاق اور استہزا کی انتہا ملاحظہ ہو کہ مریضانِ نسخ پوری بے باکی سے نازاں ہیں کہ ان کے اسلاف کے عقیدے کے مطابق ایسا بھی ہوا کہ آیۂ کریمہ رات کو نازل ہوئی اور صبح کو منسوخ ہو گئی اور کہ جبرائیل علیہ السلام عرصہ بعد ایک حکم لے کر نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر مسجد نبوی سے قدم باہر رکھے ہی تھے کہ آپ کو خیال آیا اور پلٹ کر پہلی آیت کو عملی جامہ پہنانے کی مہلت دیئے بغیر ہی دوسری آیت اتار کر چلے گئے اور پھر عشا ہی ایسا بھی ہوا کہ دوسرا حکم منسوخ کر کے تیسرا سنا کر چلے گئے۔

نسخ کے اس لامتناہی سلسلہ کا نام اہلِ اصول نے "نسخ الناسخ" تجویز فرمایا ہے

(ملاحظہ ہو باب دوم منسوخ ص۲۸۵ تا ص۲۸۸)

طاعون زدگان نسخ نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ ایک ایسے نسخ کا سراغ بھی لگا لیا جو نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ اخلاقیات کی رُو سے ناممکن بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آیت تو ایک ہی ہے مگر اس کا کچھ حصہ منسوخ ہے، اور کچھ حصہ محکم ہے اور پھر ساتھ ہی اس کا محکم بھی منسوخ ہے۔ (ملاحظہ ہو باب دوم منسوخ ص۱۰۹)

نسخ کا یہ سلسلہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی آواگون کی روح پر کھڑا گیا ہے۔ اس چکر میں نہ تو نسخ کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی ناسخ اور منسوخ کا۔ ایک چیز جو ابھی ابھی محکم تھی منسوخ تسلیم کر لی گئی اور جو ابھی ابھی منسوخ

تھی محکم بنا دی گئی۔

قرآن پاک سے اس طرح کھلی آنکھ مچولی سے ہمارا حسن ظن مجروح ہوتا اور ہمارا ضمیر تڑپ اٹھتا ہے کہ جو حضرات سابقہ شریعت کے نسخ کو مثال کے طور پر پیش کر کے احکام قرآنی میں نسخ کا جواز فراہم کرتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر اس بات کا اعتراف بھی کر جاتے ہیں کہ قرآن پاک۔ اللہ کی آخری کتاب ہی نہیں ہے ــــ اعاذنا اللہ منہ۔

جائزہ ۲ شوکانی مرحوم نے نسخ کی اقسام میں سے ہر قسم کے لئے جداگانہ قواعد، اصول وضوابط اور شرائط قلمبند فرمائی ہیں، جن کی روشنی میں آپ کے مسلک

" نسخ شرائع کی بنیاد پر شریعت محمدیہ کے نسخ کی از خود ہی نفی ہو جاتی ہے":

کیونکہ آپ نے منسوخ کی اقسام میں جن آیات کا نسخ زدہ حیثیت سے تعارف کرایا ہے ان کے ضمن میں علمائے تفسیر کا اختلاف بھی ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر

(الف) ایسا قرآن جس کا حکم تو منسوخ ہو مگر الفاظ غیر منسوخ ہوں،

پھر لکھا ہے کہ حنابلہ اور احناف اسے صحیح نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ

" حکم کی تنسیخ کے بعد الفاظ کا باقی رکھنا کوئی معنے نہیں رکھتا"

(ب)ــ اسی طرح ایسا قرآن جس کے الفاظ تو منسوخ ہوئے مگر حکم باقی رہ گیا

پھر لکھا ہے کہ ــــ اسے امام الاحناف شمس الائمہ سرخسی اور مسلمانوں کی ایک جماعت تسلیم نہیں کرتی، وہ کہتے ہیں کہ :ــــ

"حکم کا مدار دلیل پر ہے اور کسی حکم کا بغیر دلیل کے ثابت ہونا محال ہے اور دلیل تعبیر ہے حکم کے الفاظ سے پس جب دلیل (لفظ) ہی منسوخ ہو تو حکم کا وجود کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ کیونکہ جب لفظ نہ رہا تو حکم کی تعبیر کا پتہ کیسے چلے گا؟"

(ج)ــ ایسا قرآن جس کی رسم (نقط نہیں سٹائل)، تو مصاحف میں باقی نہیں رہی لیکن حکم موجود ہے۔

پھر لکھا ہے کہ ــــ اسے امام سمعانی تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ "یہ تکلف محض ہے۔ اس کے ذریعے نسخ کا پتہ چلانا انہونی بات ہے"

(ح)ــ اور ایسا قرآن جسے حدیث نے منسوخ کر دیا ہو:

پھر لکھا ہے کہ ــــ ابن برہان اور ابن الحاجب کی تصریح کے مطابق جمہور امت کے نزدیک نسخ کی یہ قسم واقع ہی نہیں ہوئی ــــ ابن السمعانی اور سلیم رازی نے "تقریب" میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ "اس قسم کے نسخ کا وقوع ہوا ہی نہیں ہے"۔ قاضی ابوالطیب نے "کفایہ" کی شرح میں علماء کے اتفاق سے لکھا ہے کہ نسخ القرآن بالحدیث ایک ناممکن الوقوع امر ہے

وہ کہتے ہیں کہ

لان القرآن یقینی فلا ینسخه مظنون کالحدیث ۔

کیونکہ وحی قرآن یقینی اور قطعی ہے اسے حدیث یا اس سے ملتی جلتی کوئی دوسری ظنی (اٹکل پچو) شے منسوخ نہیں کر سکتی ۔ (ارشاد الفحول طبع مصر تقطیع کلاں ص۱۶۶ تا ص۱۶۸)

ان اختلافات کے ذکر کر دینے کے بعد اسرار شریعت محمدیہؐ کے رموز داں شوکانی مرحوم کس منہ سے ابو مسلم اصفہانی کو جاہل محض کے لقب سے نوازتے اور کس متفقہ دلیل سے آیاتِ الٰہی میں نسخ کا دعوٰے لے کر اٹھے ہیں؟

جائزہ ۳

شوکانی علیہ الرحمۃ نے "متشابہ" کی ذیل میں لکھا ہے کہ "متشابہ۔ وہ ہے جس کے ادراک سے ہمارا فہم قاصر ہو"۔ جیسے بعض سورتوں کے افتتاحی حروف (مثلاً الٓمٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ)

پھر لکھا ہے کہ

"ان پر بھی عمل کرنا جائز نہیں ہو سکتا، کیونکہ تفاسیر میں جو کچھ کہا جاتا ہے سب احتمالات کی قسم سے ہے" (ارشاد الفحول ص۲۸)

مرحوم کے یہ الفاظ اپنے مفہوم میں کسی تشریح کے محتاج نہیں ہیں، یعنے آپ عمل کے لئے " امکانیاتِ فہم " کو لازم قرار دیتے ہیں۔

لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جسے منسوخ کہا جاتا ہے اس کے الفاظ متشابہ نہیں قابل فہم، بامعنے اور قابل عمل ہیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ یہ "قاعدہ" نسخ کے شیدائیوں کے دلائل سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے؟

کیا نسخ شرائع کی نظیر کو سامنے رکھ کر نسخ آیاتِ قرآنی پر استدلال کرنے والے شوکانی فرما سکتے ہیں کہ:

ہمارے اس مصحف کی جن مقدس آیات کو مقابل کی دیگر آیات یا حدیث یا اجماع اور قیاس سے منسوخ کیا جاتا ہے۔ ان میں کتنی ایسی آیات ہیں جو ناقابل فہم اور متشابہ ہیں؟

اس کا جواب اگر نفی میں ہے اور یقیناً ہی نفی ہی میں ہو گا تو خدارا کہیے کہ امام ابو مسلم اصفہانی نے کون سے کفر کا ارتکاب کیا تھا۔ جسے لعنت و ملامت اور مغلظات سے نوازا گیا؟ کیا شوکانی اگر نسخ کے مزاج اور فلسفہ میں دسترس رکھ سکتے تھے تو ابو مسلم کے لئے احکام کے تیور پہچاننے اور ان کی کنہ تک پہنچنے کا دروازہ بند ہو چکا تھا؟

جائزہ ۴

قرآن پاک میں تعارض اور نسخ کو جائز رکھنے والے شوکانی مرحوم عنوان " افعال النبیؐ میں تعارض " کی ذیل میں فرماتے ہیں کہ

حق تو یہ ہے کہ نبویؐ افعال میں تعارض کا سراغ لگانا نہ صرف محال ہے۔ اس کا تصور کرنا بھی باطل ہے کیونکہ افعال کے لئے " صیغے " نہیں ہوتے جو حکم کے استنباط کے لئے ضروری ہوتے ہیں اور صیغوں کے بغیر " افعال کی حیثیت " خالی " اکوان مختلفہ " کی ہو سکتی ہے، جو مختلف

اوقات میں واقع اور سرزد ہوتے رہے تھے۔ (ارشاد الفحول ص۳۵)
شوکانی مرحوم ان الفاظ میں ایک ایسے ضروری "اصول" کی طرف اشارہ کر گئے ہیں، جس کی رُو سے ان احکام میں تطبیق اور توفیق لازم آجاتی ہے، جو متضاد افعال نبوی سے مستنبط کیے جا سکتے یا کیے گئے ہیں۔
اس کے معنی یہ ہوئے کہ تضاد کی صورت میں تطبیق لازم ہے۔ نسخ اور ابطال ضروری نہیں ہیں۔ وہو المطلوب
ان توجیہات کے بعد یہ بات زوردار طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ
مسئلہ نسخ کے بارے میں جو رائے ابومسلم اصفہانی نے ظاہر فرمائی تھی وہ ایک "کل" کی حیثیت رکھتی ہے اور اصفہانی کے علاوہ جن حضرات نے فرداً فرداً اس "کل" کے "جز" کی علیحدہ توجیہہ بیان کی وہ "جز" ہے۔ اب جہاں تنہا ابومسلم کو مطعون کیا جا سکتا ہے وہاں تمام علمائے تفسیر کو بھی شامل تفتیش کیا جانا چاہیے۔
مکتبۃ المکرمہ ص ۶۲ تا ۶۷

"خدا غیر مسئول" ہے کی مضحکہ خیز تشریح

امام ابن حزم جن کے احترام سے ہمارا دل لبریز ہے، مسلک جمہور کی تائید اور منکرین نسخ کی تردید میں جن دلائل کا سہارا لے کر میدان میں اترے ہیں، ان سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ بھی پوری شدت سے عقیدۂ نسخ فی القرآن کے حامل اور عامل تھے۔ آپ نے خدا کی غیر مسئولیت کی جو توجیہہ بیان فرمائی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ نسخ فی القرآن کے بارے میں کسی لچک اور نرمی کے قائل ہی نہیں تھے آپ سوالیہ انداز میں فرماتے ہیں کہ (الف): جب حکمت الٰہی اسی بات میں تھی کہ منسوخ جملوں کے بعض الفاظ کو رفع کر دیا جائے تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں تو پھر کیا حکمت ظاہر ہوئی کہ

(ب) دوسرے موقع پر منسوخ کے الفاظ بھی رہنے دیئے تاکہ دوسری کوئی جماعت ضلالت زدہ بھی ہو جائے؟

(ج) اور وہ کون تھا جس نے خود ہی اٹھانے والے (حکم ناسخ) کو تو اٹھا دیا مگر منسوخ کے الفاظ رہنے دیئے، تاکہ ملت کے مختلف گروہ ورطۂ حیرت میں پڑ کر سرگرداں و سراسیمہ بنے رہیں؟

(د) اور کون تھا وہ جس نے منسوخ کے الفاظ کو اٹھانے (اور منسوخ کر دینے) کی بہ نسبت اس کے الفاظ کو باقی اور قائم رکھنا بہتر اور اولیٰ سمجھا؟

(س) اور کون تھا وہ جس نے اپنے ہی ایک ایسے حکم کو توڑنا واجب ٹھہرایا جو کل تک فرض تھا اور آج حرام ہو گیا یا جو کل تک حرام تھا آج مباح قرار دے دیا گیا؟

کیا۔ ان امور کے ظہور پذیر ہونے کے لئے اس کا کوئی حال تغیر پذیر ہوا یا ذات اس ذات باری کا)

تغیر بدلنے لگا جس سے شریعتوں کا ردوبدل واجب ہو چلا ؟ وغیرہ

یہ تھے وہ اعتراضات جو ابن حزم کی اپنی ہی پالیسی کی وجہ سے آپ کے ذہن پر ابھر کر آپ کے اطمینان کو غارت اور اذعان کو سلب کرتے رہے۔ اور آپ نے ان ہی اعتراضات کا جواب نہ پاکر "نوشتۂ تقدیر" کا رائج سہارا لیتے ہوئے اپنے مخالفین کو یہ جواب مرحمت فرمایا کہ ؛

ان هذا لهو الضلال البعيد والعناد الشديد والجهل والقحة الزائدة۔ الخ

کہ جو لوگ نسخ کے بارے میں کسی طرح کے مذکورہ بالا وسوسوں اور بے اطمینانی کا شکار ہیں وہ انتہا درجہ گمراہی، عنادِ شدید، جہالت اور ذہنی آوارگی میں مبتلا اور بالآخر دل کی خباثتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

ذہنی خباثت کیوں اور جہالت کس لئے ؟ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ

وما ههنا شئ اصلا الا ان الله تعالىٰ اراد ان يحرم علينا بعض ما خلق مدةً ثم اراد ان يبيحه واراد ان يبيح لنا بعض ما خلق مدة ما۔ ثم اراد ان يحرمه علينا ولا علة لشئ من ذالك كما لا علة لبعثه عليه الصلوٰة والسلام فى العصر الذى بعثه دون ان يبعثه فى العصر الذى كان قبله وكما لا علة لكون الصلوٰة خمسا لا سبعا ولا ثلاثا۔

الغرض یہ ہے کہ اب تک جتنے اعتراضات اور وسوسے پیدا ہو سکتے تھے ان کا جواب یہ ہے کہ — ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ یہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کچھ منشاء ہی ایسا تھا کہ اس نے — جس چیز کو کچھ عرصہ حرام بنائے رکھا اسے ہی مباح کر دیا اور — جس شے کو کسی مدت تک مباح کیا اسے ہی ہمارے لئے حرام کر دیا

اور اللہ کے ایسا کرنے کی کوئی علت نہیں ہو سکتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس زمانے میں ہوئی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس سے پہلے آپ کیوں نہیں مبعوث کئے گئے ؟

اسی طرح نمازوں کے پانچ ہونے، سات اور تین نہ ہونے کی بھی علت کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا کہ ایسا کیوں ہوا ؟ (الاحکام فی اصول الاحکام طبع اول مصر جلد ۴ ص ۷۰)

جائزہ امام ابن حزم موصوف کی ان باتوں کا چند حیثیتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور ہم ان ہی حیثیتوں سے آپ کے افکار و اعتراضات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک عملی طور پر نظر انداز کر دینے کے باوصف امام صاحب اس حقیقت کو پس منظر میں نہیں لے جا سکتے کہ ؛

جن قرآنی آیات کو منسوخ کیا جاتا ہے ناسخین قرآن نے آج تک اس کی کوئی مناسب "علت" بیان نہیں فرمائی یعنی کہ وہ علت اور سبب واضح کئے بغیر ہی "نوشتۂ تقدیر" کا حوالہ دے کر کام چلاتے رہے۔

نیز — ہمارے پاس پورے قرآن پاک میں ایک بھی ایسی آیت نہیں ہے جس میں وضاحت سے "خواہ" ایمائیت"

کے انداز میں فرمایا گیا ہو کہ

یہ شئے کچھ عرصہ حرام ہے یا تھی اور آئندہ اسے فلاں وقت یا فلاں سال یا غیر معینہ عرصہ تک مباح کیا جاتا ہے؟

اگر کوئی ایسی صراحت یا پہلے سے ہدایت موجود ہوتی تو کیا ضرورت تھی کہ کوئی شخص انکار کر کے امام موصوف کے الفاظ میں "ذہنی خباثت اور کافرانہ عناد" کا ثبوت مہیا کرتا۔

پھر اگر کہیں ایسی آیت کا سراغ مل بھی جائے اور علمائے تفسیر اکٹھے ہو کر کسی آیت کی ایسی نشاندہی کر بھی دیں تو بھی اسے حکم "موقّت" ہی کی ذیل میں لایا جا سکتا ہے نہ کہ پرمانٹ اور "مؤبّد" کے تحت ——— اور حکم "موقت" کا اصول یہ ہے کہ وقت ختم ہو جانے کے بعد عرفاً و شرعاً اس پر نسخ کا اطلاق جائز ہی نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور لا یسئل عما یفعل کا تعلق ہے اس کا ہر سلیم العقل اعتراف ہی کرے گا، لیکن

خدا کی غیر مسئولیت اور قدرتِ کاملہ کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ ہم انہیں امورِ فاحشہ سے بھی نامزد کر سکیں؛

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ

خدا ظلم پر قادر ہے، اسلئے کہ لا یسئل عما یفعل ہے۔

کسی انسان کو موحد اور اکثریت کو مشرک بنانے میں اس کی حکمتِ بالغہ کار فرما ہے اس لئے کہ لا یسئل عما یفعل ہے۔

جھوٹ بولنے پر قادر ہے کہ لا یسئل عما یفعل ہے؛

نسخ جہالت، قصورِ علم اور باطل سے مرکب ہے اور خدا جہالت اور باطل پر بھی قادر رہے، کہ۔ لا یسئل عما یفعل ہے۔

کیونکہ ظلم، شرک، جھوٹ، فحش اور جہالت جیسی اوصاف رذیلہ سے اللہ سبحانہٗ کی ذات منزّہ اور دیگر ہر عیب سے پاک اور نقص سے محفوظ و مبرّا ہے۔

ہمارے نزدیک "لا یسئل عما یفعل" کی جو تشریح کی گئی ہے نہایت ہی مضحکہ خیز ہے۔ واللہ اعلم

قرآن کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں؟

امام ابن حزم نے اللہ کی غیر مسئولیت کی جو تفسیر فرمائی ہے اور اس کے کاموں کے لئے کسی "علّت" کا جو انکار فرمایا ہے اس سے آپ کی علمی رفعتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہاں جس بات کی آپ کو وضاحت کرنا چاہئے تھی اس کے لئے آپ نے کوئی اچھا علمی موقف اختیار نہیں کیا جس سے آپ کی وضاحت تشنگیوں اور "نوشتۂ تقدیر" کی غیر سائنسی باتوں کا نمونہ بن کر رہ گئی ہے۔ آپ بڑے ہی ذہین، طباع اور فکر رسا کے مالک تھے، چاہتے تو مسلک نسخ کے اثبات پر اچھی طرح روشنی ڈال سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور نہ کرنے کے معنی یہی ہو سکتے تھے کہ غیرتِ قرآن نے اثبات نسخ کے لئے آپ کے منہ پر تالا ڈال دیا تھا۔ یعنی اس خاص موضوع پر آپ کی قدرتِ کلام سلب کر لی گئی تھی۔ آپ برہنہ تلوار تھے۔ "نوشتۂ تقدیر"

کا سہارا اگر نہ لیتے تو ظاہر ہے کہ آپ کے غیر معجز کلام کے باعث جتنے مسائل کھڑے ہوتے ان کا حل کیا جانا ہر ایک کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ اس اعتراف کے بعد آئیے اب غیرت قرآن کا دوسرا واقعہ ملاحظہ فرمایئے جو ابن حزم کی جودت طبع اور ندرت فکر پر بلائے ناگہانی بن کر نازل ہوا ہے۔ یعنی آپ نے جب محسوس کر لیا کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

اس نظریہ کی قطعی نفی کر دیتا ہے جو چند ہی لمحے پہلے آپ نے پیش کیا تھا کیونکہ یہ آیت "برہان قاطع" کی حیثیت سے اس نظریئے کے تمام رگ و ریشوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے؛ جو قرآن حمید میں "نسیان" وغیرہ کا تصور رکھنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

کیونکہ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ منسوخ لفظی ہو یا لفظی اور حکمی، اس آیت کی رُو سے دونوں محال ہیں، وغیرہ اور امام ابن حزم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے، لیکن اس کا اعتراف کرنے کی بجائے آپ نے تاویل کے ایک ایسے عنکبوتی سہارے کو غنیمت جانا جو بلاشبہ امام موصوف کی مجتہدانہ عظمت کے دامن پر ایک بدنما داغ ہے آپ فرماتے ہیں کہ

والحفظ ای الذکر یکون بتبلیغ المعنیٰ

ذکر (یعنے قرآن کی حفاظت) کا مطلب ہے، تبلیغ کے ذریعہ اس کے مفہوم اور معنے کی حفاظت کرنا (الاصول فی احکام الاصول طبع مصر)

جائزہ معنے اور مفہوم کی حفاظت اگر مطلوب تھی تو صلاۃ کے لئے سورہ فاتحہ کی بلفظہ تلاوت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یہ کام تفسیر، معنے اور مفہوم کی تلاوت سے بھی تو لیا جا سکتا تھا؟

نیز یہ جو حدیث مبارک میں ہے کہ "قرآن کی تلاوت کرنے والے کو دس گنا ثواب ملتا ہے" تو کیا اس نوعیت کا ایک آدھ ثواب قاری تفسیر کے لئے بھی ہو سکتا ہے؟

پھر امام موصوف کی رکاکت فہم ملاحظہ ہو کہ وہ اتنا بھی سمجھ نہ پائے کہ وحی قرآنی کے الفاظ "معجز" ہیں اور معانی اظہار مطلوب کا "غیر معجز" ذریعہ ___ انہیں معجز الفاظ کی جگہ لے آنے کے معنے ہوں گے 'غیر معجز مفہوم' کو ترجیح دے کر مثیل قرآن تسلیم کرنے کے جو سراسر آیہ لا یاتون بمثلہ شیئا (اسراء ۸۸) کی تکذیب کے مترادف ہے یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے نماز میں ترجمہ کرنے کو فاسد اور حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نقطۂ نظر سے ترجمہ کی حفاظت کے لئے کوئی ضمانت اور گارنٹی نہیں ہے۔ ضمانت صرف الفاظ وحی کو حاصل ہے۔ وھو المقصود۔ وحی قرآنی کی عصمت اور اس کلام کے لفظاً غیر محرف ہونے کے مسلمہ نظریئے سے ابن حزم کا انحراف عجیب سا لگتا ہے۔ تفسیری ادب کے ہر طالب علم کے لئے اس خاص مسئلہ میں ابن حزم کی یہ روش حیرت انگیز اور افسوسناک ہے۔ ان کا یہ رویہ اسلام شناسی اور قرآن فہمی سے قطعاً ہم آہنگ نظر نہیں آتا۔

قرآن کا کچھ حصہ باطل کی نذر ابن حزم تو مجبور تھے کہ انہیں حفاظت قرآن کا جمہوری نظریہ تسلیم کر لینے میں بہت سی ان احادیث سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا جو ان کے نقطۂ نظر سے قرآن پاک

کے معارض و مخالف تھیں لیکن فقیہان حرم کو ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں تھی وہ بربنائے تقلید اور تعصب ہی آیات قرآنی سے دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ وہ ایک ایسی آیت پر ہاتھ اٹھانے کی جسارت کرنے سے بھی گریز نہ کرسکے جو کفار مکہ کو تحدّی اور چیلنج کرتے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ اس میں قرآن پاک میں ہر قسم کے نقص، ابطال، نسخ اور تضاد کی نفی کی گئی تھی۔ بلکہ یہ کہنا موزوں ہوگا کہ یہی آیت انکار نسخ کی بنیاد ثابت ہوسکتی ہے۔ اس میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ

انہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ، تنزیل من حکیم حمید۔

بلاشبہ یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے (فصلت ۴۱)
اس پر (جھوٹ اور) باطل کا گذر نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے (فصلت ۴۲)

اس آیت میں وحی الٰہی میں باطل کے سرایت کر جانے کو ناممکن کہا گیا ہے اور باطل کی تشریح میں راقم الحروف پہلے سے واضح کر چکا ہے کہ "نئے حکم کے ملنے پر سابقہ حکم کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھنا ہی نسخ ہے" اور یہ وہ معنیٰ ہے جس کا خود فقہاء کو بھی اعتراف ہے یعنے وہ بھی منسوخ شدہ حکم کو باطل ہی کہتے تھے (تیسیر التحریر طبع مصطفیٰ حلبی قاہرہ ۱۳۵۱ھ جلد ۳/۱۸۲)

لیکن باطل کی تاویل یہ کر جاتے ہیں کہ

ہم باطل سے ایسا مفہوم لیتے ہیں۔ جو شرعی گالی کے طور پر استعمال نہ ہوتا ہو، بلکہ آیات الٰہی میں سرایت کرنے والے باطل سے یہ مراد لی جائے گی کہ ان میں نسخ واقع ہو کر عمل کو باطل کر گیا وغیرہ۔

اس تاویل پر ہم تبصرے کا حق محفوظ رکھ کر یہاں صرف اس قدر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جو مفہوم بھی آپ تجویز فرمالیں۔ نتیجہ کے لحاظ سے منسوخ شدہ آیت کے باطل ہونے پر ہی صادر کرنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ منسوخ شدہ آیت لفظاً ہو، خواہ حکماً اسے جب باطل ہی تسلیم کرنا پڑے گا تو یہ باطل بھاری بھرکم ہو یا ہلکا پھلکا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قرآن پاک کی زیر بحث آیت ہر قسم کے باطل کی دخل اندازی کو ناممکن کہتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مفسر حضرات سب سے زیادہ اس ہی آیت کو اپنے لئے پریشان کن آیت مانتے ہیں کیونکہ وہ "تیسیر التحریر" کے مطابق نسخ پر باطل کا اطلاق تسلیم کرچکے ہیں۔ ادھر یہ بھی ایک حقیقت ہے اور بجا طور پر انہیں پریشان بھی ہونا چاہیے کہ سب سے بڑے انقلابی مفسر امام ابومسلم اصفہانی بھی اس ہی آیت کو انکار نسخ کے لئے مضبوط دلیل کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ

واعلم ان لابی مسلم الاصفہانی ان یحتج بھذہ الآیۃ علی انہ لم یوجد النسخ فیہ لان النسخ ابطال فلو دخل النسخ فیہ لکان قد اتاہ الباطل من خلفہ وانہ علی خلاف ھذہ الآیۃ۔

امام ابومسلم اصفہانی نے اس آیت کو عقیدہ انکار نسخ کی اساس ٹھہراتے ہوئے کہا ہے کہ "نسخ

دراصل کسی شئے کو باطل کر دینے ہی کا نام ہے۔" اس کا اگر قرآن حمید میں واقع
ہونا تسلیم کر لیا جائے تو یہ اعتراف بھی کرنا ہو گا کہ اس کے سامنے اگرچہ نہیں مگر پیچھے سے باطل ضرور
داخل ہو گیا ہے
(وھو) یہ ایسا اعتراف ہے جو صریح طور پہ آیہ کریمہ کی نفی اور تکذیب پہ منتج ہوتا ہے جو کہ ناممکن ہے۔"
(تفسیر رازی طبع عبدالرحمان مصر جلد ۲۷/۱۲۲)

رازی کے انکشاف سے واضح ہوا کہ مفسروں کے اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ ابو مسلم نے اس آیت کو حجت تسلیم کر لیا ہے؛
کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ہ

میں جہاں جہاں "ہ" کی ضمیر واقع ہے اس کا "مرجع" پورا قرآن ہی ہے۔ مقصد یہ کہ پورا قرآن تو منسوخ (اور باطل)
نہیں ہوا لیکن .... (بیضاوی بحوالہ تیسیر التحریر جلد ۳/۱۸۱)
"بعض القرآن" ضرور ہی منسوخ ہوا ہے کہ "جزوی نسخ" کا انکار اس آیت کی رو سے ثابت نہیں ہو سکتا،
ابو مسلم نے "جزوی نسخ" کا انکار یوں ہی کر دیا ہے وغیرہ

قرآن پاک میں باطل کے جزوی حد تک داخل ہونے کا عقیدہ اور دعوئے اسلام؟ فاعتبروا یا اولی الابصار
یہ تھی۔ وہ تاویل جس کے بارے میں باور کرایا جاتا ہے کہ "قرآن کا کچھ حصہ ضرور ہی باطل کی نذر ہو چکا ہے" — یعنی ہمارے مفسر
اور فقیہ حضرات، ایک غلط عقیدے کے تحفظ، دفاع اور ابلاغ کے لئے کتنی جرأت اور جارحیت سے ع

تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند

اور اقبال مرحوم نے غالباً ایسے ہی موقع پر کہا ہو گا

ولے تاویل شان در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفےٰ را

جب ہمارے اپنے ہی مذہبی لٹریچر میں قرآن میں جزوی باطل کا اعتراف موجود ہے تو ہم کس منہ سے غیروں کو
طعنہ دے سکتے ہیں کہ ان کی دسیسہ کاریوں سے دین کے اس بڑے ماخذ میں شکوک و شبہات ڈالے جاتے رہے یا ڈالے
جا رہے ہیں؟ مالکم کیف تتفکرون ہ (ملتہ مکرمکہ ۲۹)

ایک اور شگوفہ

شوکانی، ابن حزم، بیضاوی اور امیر بادشاہ کے عقل سوز دلائل کے بعد ایک اور نامور عالم دین ابن ہلل
السعیدی کی اثبات نسخ پر فیصلہ کن دلیل ملاحظہ ہو جو اس ضمن میں غالباً آخری حیثیت رکھتی ہے آپ اپنے مشہور رسالے

لہ یہ دراصل ایک ذیلی عنوان تھا مگر اس کے "ایمان ربا" مواد کی وجہ سے نمایاں کر کے لکھا جا رہا ہے (طارق)

"الایجاز فی معرفۃ ما فی القرآن من ناسخ ومنسوخ" میں رقمطراز ہیں کہ

ولو راجع من انکر النسخ فی القرآن ورفع حکم بحکم (الی ان) لعلم ان القائل ھذا القول غیر مومن بل ھو کافر۔ جاحد لما جاء بہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یلزمہ الرجوع عن المذھب او القتل نعوذ باللہ من الضلالۃ بعد الھدی۔

قرآن میں نسخ کا انکار کرنے والے اور ایک حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ منسوخ نہ ماننے والے اگر اپنے
گمراہ کن عقیدے کا جائزہ لیتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ منکر نسخ نہ صرف جوہر ایمان سے محروم ہو جاتا ہے
(غیر مومن) بلکہ خالص کافر بھی بن جاتا ہے (بل ھو کافر)
یہ شخص چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردہ دین کا صریح منکر ہے لہذا اس کے لئے دو ہی راستے ہیں
انکار نسخ قرآنی سے توبہ کرے یا پھر
فی الفور اسے قتل کر دیا جائے
اللہ ہدایت کے بعد گمراہ ہونے سے محفوظ رکھے
("الایجاز" قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ کیٹلاگ نمبر ۱۰۸۹ وصفحہ ۴۶، ۴۷)

ابن ہلال کے فتویٰ کو ہم نے "شگوفہ" سے تعبیر کیا ہے کہ فتاوے دراصل ہوتے ہی شگوفے ہیں۔ ان کے حدود دار بعد زیادہ سے زیادہ اہل اسلام کو ایمان سے خارج کرنے اور آخر میں قتل کر دینے تک ہی محدود ہوتے ہیں لیکن فتووں کو اساس اسلام تسلیم کر لینے کے بعد ہم کسی مسلمان کو جان و مال کا تحفظ دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب نفی میں ہوگا۔

یہ یاد رہے کہ اسلام کو معمورۂ فساد بنانے والوں کی معلومات کے لئے ہم نے دوسرے باب میں ہر مقام پر ثابت کر دکھلایا ہے کہ نہ صرف جان نثاران مصحف احمدی و فدا کاران وحی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس الٰہی "قول فیصل" کو کلام منسوخ و قول ھزل (بیہودہ) ماننے سے انکار کرتے ہیں فرداً فرداً سینکڑوں ایسے علماء اور اہل فہم کا نام بھی بہ فہرست دکھلایا جا سکتا ہے، جن کے تقدس اور خشیت الٰہی کی قسم کھائی جا سکتی ہے کہ وہ بھی نسخ فی القرآن کے منکر ہی تھے۔ لیکن انہیں نہ تو کسی نے توبہ کے لئے مجبور کیا اور نہ ہی سر مقتل لے چلے بلکہ کسی نے انہیں یہودی، خارجی غیر مومن اور کافر تک بھی نہیں کہا پھر آخر کیا افتاد پڑ گئی کہ کھلے منکرین نسخ کو تو گردن زدنی کے قابل ٹھہرایا گیا، مگر "چھپے منکرین" کو چھیڑا تک نہیں گیا؟

عقیدۂ نسخ کب اور کیوں ظہور پذیر ہوا؟

ناسخ اور منسوخ کا نظریہ اپنے تاریخی پس منظر میں عہد اسلامی کے زمانۂ ارتقاء اور عروج کی تاریخ پیش نہیں کرتا ہے۔ جمود اور "ٹھیراؤ" کی تاریک تصویر سامنے لاتا ہے ـــــ عرب جن کے پاس عقل، فصاحت اور بلاغت کی کمی نہیں تھی۔ اپنے عہد شباب ہی میں روبہ انحطاط ہو چکے تھے اور اس انحطاط کا آغاز اس وقت ہوا جب مسلمانوں کی فکری تحریکیں وحی کی غیر متبدل رہنمائی سے کنارہ کش ہو رہی تھیں۔ امت اسلام ہلاکت، جہل زدگی، جمود، یخ بستگی،

ٹھہرا کر اور درماندگی کو حیاتِ نو کا وسیلہ قرار دے رہی تھی۔

ذہنی افلاس کے اس دور میں فقہائے اسلام جن پر اہم ذمہ داری عائد ہو سکتی تھی۔ انہوں نے شعور کی آنکھ جب کھولی تو ان کو شرعی احکام (عبادات خواہ معاملات) میں عملی لحاظ سے ہر مسئلہ میں متضاد اور متخالف آراء سے واسطہ پڑا اور اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے ان کا فہم نارسا اس نتیجہ پر پہنچا کہ صورتِ حال جیسی بھی ہو کتاب اللہ جس طرح تمام ہدایتوں کا سرچشمہ ہے اسی طرح عین ممکن ہے کہ ــــــ اسلام کے مختلف مدارس فکر کی اساس بھی خود قرآنِ پاک ہی نے رکھی ہو ــــــ چنانچہ ان مدارس کی اختلافی آراء میں تطبیق اور توفیق کا پہلو نکالنے کی بجائے ان لوگوں نے کمال سہل پسندی و فکری محرومی سے کام لیتے ہوئے ناسخ و منسوخ کے نظریئے کو جنم دینے میں عافیت سمجھی اور پھر ایک نیا موضوع پا کر شہرت اور ناموری کے دلدادگان نے بھی اس نئے موضوع پر قلم کی جولانیاں دکھلانی شروع کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے شانِ ہائے نزول کے "کاسے پرزوں" کی اوٹ میں صحابہ کرام کے فرضی افکار اور گروہی پالیسیوں کی روشنی میں آیاتِ الٰہی کی تقدیر کے فیصلے کئے جانے لگے ــــــ صحابہ کو اکسپلائیٹ کرنے سے ان لوگوں نے سادہ لوح ذہنوں میں یہ بات راسخ کرنا چاہی تھی کہ ــــــ یہ نیا سلسلہ جو ابطالِ وحی کی غرض سے شروع کیا گیا ہے دراصل پرانا اور قرآن فہمی کے لئے اساسی حیثیت رکھتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ــ کیا صحابہ رسولؐ نسخ کے "موجودہ مفہوم" سے آشنا تھے؟ اس سوال کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس کا جواب ہم سے نہیں سلفی امام علامہ ابن القیم مرحوم (متوفی ۷۵۱ھ) سے دریافت کیجئے، جنہوں نے پوری صراحت سے لکھا ہے کہ:

• نسخ متأخرین کی اصطلاح ہے۔ سلف اسے تخصیص اور استثناء کے مفہوم میں استعمال کرتے تھے۔" (اعلام الموقعین طبع مصر جلد ۱/ ۳۹)

امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ

متقدمین عام، مطلق اور ظاہر کو خاص، مقید اور مخفی کے متبادل مفہوم میں استعمال کرنے کو بھی نسخ سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح مقید کی تفسیر اور تبیین کے لئے جو اسلوب اختیار کیا جاتا تھا اس پر بھی نسخ ہی کا لفظ استعمال کرتے تھے

حتیٰ کہ

استثناء، شرط اور صفت کو بھی نسخ ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا (اعلام الموقعین جلد ۱/ ۱۲)

امام ابن القیم کی ان تصریحات سے جہاں ہمارے دیگر سلفی بزرگوں اور فقہاء کی دھاندلی کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ

جن صحابہ کرام کو اسبابِ نزول کا ذمہ دار ٹھہرا کر نسخ کے لئے بطور آلہ کار کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کا مقصود "نسخ" کے موجودہ مفہوم کے اعتراف اور تصدیق سے ہرگز نہیں تھا۔

فصل سوم

معتزلہ کے دلائل

ائمہ اعتزال رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام آتے ہی چشمِ تصور کے سامنے وہ مقدس اور پاک باز ہستیاں جلوہ پیرا ہونے لگتی ہیں، جنہوں نے بشری کمزوریوں کے باوصف اسلام کی زندہ صداقتوں اور بقائے دوام کا راز —— رجعت الی القرآن —— ہی میں پایا تھا۔ ان کے افکار و نظریات قرآنِ پاک ہی کے محور پر گھومتے تھے اور وہ قرآن ہی کو تمام اختلافات کو فیصل کرنے کا آخری اور واحد حل سمجھتے تھے۔ وہ مسلمانوں اور اسلام کی حیاتِ نو کا واحد ذریعہ قرآنِ محکم ہی کو گردانتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ

"آج تک کسی بھی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ" تلاوت تو منسوخ تسلیم کر لی گئی ہو اور حکم باقی رہنے دیا گیا ہو"

وہ اپنی تائید میں قرآنِ پاک کی آیہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ —— پیش کرنے کے علاوہ کہتے تھے کہ بان النص انما جیٔ بہ لافادۃ الحکم والحکم ما یثبت الا بالنص۔ فبینہما تلازم۔ فرفع احدہما یستلزم رفع الاخر۔

نص حقیقت میں حکم کا فائدہ دیتی ہے اور آج تک کوئی بھی حکم ایسا معلوم نہیں ہو سکا جو بغیر نص کے ثابت ہوا ہو جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نص، حکم کے لئے اور حکم نص کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لازم کے رفع ہو جانے سے ملزوم کا رفع ہو جانا از حد ضروری ہو جاتا ہے

(بحوالہ صفوۃ الکلام فی اصول الاحکام مصنفہ مصطفیٰ الخفاجی طبع مصر ص ۱۲۹)

مقصد یہ کہ لفظ کے بغیر مفہوم کا حصول اور مفہوم کے بغیر لفظ کا وجود قرآنِ پاک میں ہے ہی محال۔ لہٰذا تلاوت منسوخ اور حکم باقی رکھنے کا جواز تلاش کرنا ہی فضول ہے۔

دوسری دلیل اس مدرسۂ فکر کی دوسری دلیل یہ ہے کہ

بان رفع التلاوۃ دون الحکم و رفع الحکم دون التلاوۃ ایقاع فی الجہالۃ لان الاصل فی بقاء التلاوۃ بقاء حکمہا وفی رفعہا رفع حکمہا

تلاوت کے منسوخ ہونے اور حکم کے باقی رہنے یا حکم کے منسوخ (و رفع) ہو جانے اور تلاوت کے باقی رہنے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اس طرح جہالت میں واقع ہونا لازم آتا ہے (اور خدا جاہل نہیں ہو سکتا ط) —— نیز یہ اصول بھی مزاحم رہے گا کہ

"تلاوت کو محفوظ رکھنے کا مقصد دراصل حکم کو محفوظ کرنا ہے اور تلاوت ہی کے رفع اور نسخ سے

حکم کا رفع (اور نسخ) لازم آئے گا۔ (صفوۃ الکلام صفہ ۱۳)

لہٰذا یہ نظریہ ہی غلط اور الفاظ و معانی کے باہمی لزوم کی نفسیات کے منافی ہے کہ تلاوت کو باقی رکھ کر حکم کا نسخ تلاش کیا جا سکتا ہے؟ یا حکم کو محفوظ کر کے تلاوت کو اٹھایا جا سکتا ہے؟

خدا جاہل نہیں ہو سکتا۔ تیسری دلیل

امام رازی نے مسلک اعتزال کو جس صفائی اور خوبی سے بیان کیا ہے، وہ آپ کے مقام اور علمی رفعتوں کے عین مطابق ہے آپ ان کے ترجمان کے فرائض سرانجام دینے کی حیثیت سے فرماتے ہیں کہ:

کتاب اللہ میں امر کا لفظ یا تو سرے سے کسی قید ہی سے خالی ہوگا اور اگر مقید ہوگا تو دو صورتوں سے خالی نہ ہوگا۔

یا تو قیدِ لادوام سے مقید ہوگا

یا قیدِ دوام سے۔

۱ — پس اگر تو یہ امر ہر قسم کی قید سے آزاد ہے تو صرف ایک بار ہی عمل کا مقتضی ہو سکے گا اور اس کے بعد بار بار اس امر کا وارد ہونا کسی طرح کے ناسخ کا موجب نہیں ہو سکتا۔

۲ — اور اگر قید لادوام سے مقید ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد جب دوبارہ یہ وارد ہوگا تو بھی ناسخ نہیں کہلا سکتا کیونکہ لادوام میں تو نسخ کا سوال اٹھانا ہی اصولی طور پر غلط ہے۔

۳ — اور اگر امر کا لفظ قید دوام سے مقید ہے تو دیکھنا یہ ہوگا کہ اس کی نوعیت کیا ہے

الف — کیا یہ امر کہیں ایسا تو نہیں جس سے آگے چل کر یہ عقیدہ رکھا جا سکتا ہو کہ یہ دائمی ہی رہے گا۔ یعنی اللہ سبحانہٗ نے اسے ذکر ہی ایسے الفاظ اور لہجے میں کر دیا جس میں دوام کا عقیدہ رکھنا لازم آ جاتا ہے۔ لیکن بعد میں ایسے ہی امر کو رفع (اور منسوخ) کر دیا۔ اگر تو اس نوعیت کا امر ہے تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ — خدا پہلے جاہل تھا اور بعد میں حقیقت معلوم ہو جانے پر رجوع فرما دیا — معاذ اللہ

ب — اور اگر وہ جانتا تھا کہ امر کی نوعیت دائمی نہیں رہے گی اس کے باوصف اس نے ایسے الفاظ میں اسے ذکر کیا جو دوام پر ہی دلالت کرتے ہوں تو یہ بھی نتیجہ کے لحاظ سے جہالت اور جہل آفرینی ہی کا ذریعہ کہلائے گا — کان ذالک تجہیلا فثبت ان النسخ یقتضی اما الجہل او التجہیل وھما محالان علی اللہ فکان النسخ منہ سبحانہ محالا — لہٰذا ثابت ہوا کہ نسخ جہل آفرینی اور جہالت دونوں کو متقاضی ہے اور ہر ذی شعور انسان ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات سے ایسی قبیح صفتوں کا صادر ہونا ممکن بھی ہو سکتا ہے اور جب ایسا ممکن ہی نہیں ہے تو جان لینا چاہئے کہ

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے نسخ کا صدور محال ہے۔

(تفسیر کبیر طبع قدیم جلد ۲/۲، نیز ملاحظہ ہو منسوخ ۲ باب)

ناسخ و منسوخ کی فنی تشریح

علامہ محمد بن حمزہ الفناری (متوفی ۸۳۴ھ) رقم طراز ہیں کہ

ان یدل علی خلاف حکم شرعی۔ دلیل شرعی متراخ

یعنی — نسخ ایک ایسے شرعی دلیل سے تعبیر ہے۔ جس سے سابقہ شرعی حکم کے عرصہ بعد دوسرا نیا اور آخری حکم ثابت ہوتا ہو۔

(فصول البدائع فی اصول الشرائع طبع استامبول ۱۲۸۹ھ جلد ۲/۱۲۱/۹ تا ۱۰)

تبصرہ

علامہ فناری کی اسی تشریح کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک میں کوئی بھی ایسی نص موجود نہیں ہے جس سے ایک حکم ثابت ہوتا رہا اور پھر دوسری نص نے آکر اسے رفع اور منسوخ کر دیا۔ وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو دوسرے باب میں مزعومہ منسوخ آیات کے جائزے۔

نیز علماء اصول نے نسخ کی جو تعریف متعین یا وضع کی ہے علماء قرآن اسے نہیں مانتے۔

امام العصر سید احمد خان مرحوم فرماتے ہیں کہ "یہ تعریف"

"نہ خدا نے بتائی نہ رسول نے بتائی۔ بلکہ علماء نے خود اپنے قیاس اور خیال اور استنباط سے قائم کی ہے۔ اور کسی مسلمان پر واجب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اس "تعریف" کو تسلیم کر لے"

(تفسیر القرآن سید احمد خان طبع لاہور ۱۸۹۱ء جلد ۱/۱۸۲)

یہ ایک اصولی اور بنیادی معارضہ تھا جسے سید احمد خان نے پیش کیا ہے۔ اہل علم کو چاہیئے کہ شائستگی اور متانت سے اس کا جائزہ لیں۔ خفا ہونے اور صلواتیں سنانے سے ان کا معارضہ ختم نہیں ہو جاتا۔

حکم شریعت کسے کہتے ہیں

علامہ فناری "حکم شرعی" کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ

اما مغیا اے مشروع الی غایۃ وامد علمہٗ عند اللہ فلا رفع بعد غایۃ واما ان یکون الحکم موبداً فلا نسخ لاربعۃ وجوہ

۱ — التناقض بین الاحکامات

۲ — لتادیۃ الی ان لا یمکن التعبیر عن التابید

۳ — ھذا یؤدی الی نفی الوثوق بتابید الحکم

۴ — ویؤدی الی جواز نسخ الشریعۃ وھذہ الامور کلھا باطلۃ

(فصول البدائع جلد ۲/۱۳۳-۱۳۴ خلاصہ)

لامثال للتابید والتاقیۃ فی نصوص الاحکام الشرعیۃ۔

(ایضاً ۲/۱۳۳/۱۳۴ خلاصہ)

یعنے ـــ "شرعی حکم" یا تو ایک ایسی غایت اور وقت سے وابستہ ہوگا جس کا علم ذات خداوندی کے سوا کسی کو بھی نہیں ہو سکتا۔

اس صورت میں یہ ہوگا کہ غایت معلوم ہو جانے پر اس حکم کو مرفوع (اور منسوخ) نہیں کہا جاسکیگا یا پھر ایسا ہوگا کہ وہ حکم دائمی اور ابدی ہوگا لیکن اس صورت میں بھی چار وجوہات کی بناء پر اسے منسوخ نہیں کہا جاسکے گا۔

۱ ـــ اس لئے کہ ابدی احکام میں تناقض تسلیم کرنا پڑے گا جو نفسیات وحی کی رو سے بالکل جائز ہی نہیں ہو سکتا

۲ ـــ نیز یہ کہ تناقض کی وجہ سے احکام کی ابدیت ناممکن ہو کر رہے گی۔

۳ ـــ پھر تناقض کا امکان اس ایقان اور وثوق کی بطور خاص نفی کر دیتا ہے جو حکم کی ابدیت کے لئے ہر دل میں موجود ہونا چاہئے۔

۴ ـــ اور ایسا کوئی سا تصور بھی پوری شریعت کی تنسیخ کو جائز ٹھہرا دیتا ہے جو کہ واضح الفاظ میں اسلام کی اساس ہی کو اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔

لہٰذا ـــ ان وجوہات کی رو سے "ابدی" احکام میں نسخ کا واقع ہونا باطل اور ناممکن ہے۔

ـ پھر یہ مستزاد کہ احکام شرعیہ کی نصوص میں "تابید" (ابدیت) اور "تاقیت" (وقتی حدبندی) کی کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ (حوالہ مذکورہ)

تبصرہ | فناری کی توضیحات سے پتہ چلتا ہے کہ:
قرآنی احکام میں تناقض اور مجموعی حیثیت سے "تاقیت" کی کوئی واضح مثال نہیں ملتی۔ یعنی اس کی روشنی میں نسخ کا جواز نہیں ملتا۔ فہو المطلوب۔

اب آیئے علامہ موصوف کے استدلال میں "تابید" کے لفظ کا تجزیہ کیجئے۔ اس کے معنے ہیں کہ:

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما تھے اس وقت تک تو کسی بھی حکم کے بارے میں یہ "منصوص" ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ابدی ہے یا غیر ابدی؟ اب لامحالہ اسے رحلت نبوی پر ہی اٹھا رکھنا ہوگا کہ اس کے بعد ہی احکام کی "ابدیت" کو منصوص مانا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں بھی یہ الجھن مزاحم ہے کہ احکام کی تابید کے بارے میں زمانۂ رسالت کی نسبت سے کوئی بھی نص ابھی تک منصۂ شہود ہی پر نہیں آئی۔ تو کیا اس شدید معارضے کے بعد بھی نسخ کے لئے عقلی دلائل کا سہارا لیا جاسکے گا؟

فصل چہارم

منسوخ کی قسمیں

فقہائے اسلام نے منسوخ کو متعدد اقسام میں تقسیم کیا ہے اور راقم الحروف نے ان میں سے تین اہم قسموں کا انتخاب کرکے ان کا ذیل کی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یعنے ـ

۱ــــ منسوخ باعتبار تلاوت اور حکم کے

۲ــــ منسوخ باعتبار تلاوت کے

۳ــــ اور منسوخ باعتبار حکم کے

اب آپ ترتیب وار ان ہر سہ اقسام کا اور تفصیل وار منسوخ التلاوۃ کا بیان ملاحظہ فرمایئے۔

منسوخ باعتبار تلاوت اور حکم کے

اس کے بارے میں مفسر حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ ایک ایسا منسوخ ہوتا ہے، جس کے نہ تو الفاظ تلاوت کئے جاتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی حکم ثابت ہو سکتا ہے۔

یعنے تلاوت اور حکم دونوں ہی منسوخ ہوں۔ جیسے "کان فیما انزل عشر رضعات یحرمن" فنسخن بخمس معلومات" ثم نسخت الخمس (ایضاً الاوۃ)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حرمت رضاعت کے بارے میں

پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا کہ "بچہ جب ماں کے پستانوں میں منہ لگا کر دس گھونٹ پی لے" تو اس سے حرمت ثابت ہو جاتی تھی (اس سے کم مرتبہ پر نہیں)

پھر ایسا ہوا کہ دس گھونٹ کی تعداد کو پانچ گھونٹ کی تعداد نے منسوخ کر دیا۔ (یعنے دس کی تعداد کو پانچ کے ہندسے نے منسوخ کر دیا اس کے بعد بھی یہ سلسلہ رکا نہیں۔ بلکہ آخری حکم یہ ملا کہ ایک گھونٹ پی لینے سے بھی رشتہ حرام ہو جائے گا۔ ط)

یہ آیت (ماننے والوں کے خیال کے مطابق، تلاوت کے اعتبار سے امام شافعی کے نزدیک اگرچہ منسوخ ہے تاہم حکم کے لحاظ سے نافذ العمل ہے یعنی دس گھونٹ پی لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اور امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ آیت حکم کے اعتبار سے بھی منسوخ ہے (کہ قرآن میں ایسا ہی ہے) اور علمائے حدیث کہتے ہیں کہ: دس یا پانچ گھونٹ کی تعداد سے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے زائد مرتبہ اگر دودھ پی لیا ہو تو پھر حرمت کی اُمید رکھنی چاہئے اور یہ تمام تفاصیل تلاوت کے اعتبار سے منسوخ ہی ہیں وغیرہ

اب یہ حضرات کہتے ہیں کہ وحی الٰہی نے اگرچہ پوری صراحت سے امھاتکم اللاتی ارضعنکم فرما کر ــــ رشتہ حرام ہونے

کا اصول بتا دیا ہے تاہم اس میں یہ نقص ہے کہ گھونٹ پینے کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اسی تو یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ بچہ نے اگر ایک بار بھی منہ لگا کر دودھ (کا ایک گھونٹ) پی لیا تب بھی رشتہ حرام ہو سکتا ہے، حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ کم از کم دس پانچ کی تعداد کا مذکور رہونا ضروری تھا وغیرہ وغیرہ

تبصرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ آیت اگرچہ کسی کے پاس تلاوت اور کسی کے پاس تلاوت اور حکم کے لحاظ سے منسوخ ہے تاہم بحث کی خاطر اسے (بشرط ثبوت) "وحی سنت" تو کہا جا سکتا ہے لیکن "وحی قرآنی" سے تعبیر کرنا وحی کی نفسیات کے سراسر منافی ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے۔ کہ :

جب تک کہ مدلول کے لحاظ سے کوئی لفظ غیر یقینی ہے یعنی اس کے کچھ اور معنی بھی (مراد) ہو سکتے ہیں تو اس سے فرض یا واجب کا اثبات نہیں کیا جا سکتا۔

یعنی کہ عائشہ صدیقہ والی آیت اس قابل ہی نہیں کہ اس سے کسی شرعی حکم کا یقینی اثبات کیا جا سکے کیونکہ اس کے الفاظ غیر یقینی ہیں اور غیر یقینی الفاظ کی تلاوت غیر متواتر اور غیر مشہور ہے لہذا اس کا مدلول غیر یقینی ہے۔

(تفصیل ملاحظہ ہو باب دوم منسوخ ص۵۸)

منسوخ باعتبار تلاوت کے اس کے بارے میں مفسر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا منسوخ ہوتا ہے جس کا حکم تو باقی ہو لیکن تلاوت منسوخ ہو چکی ہو۔ جیسے آیۂ رجم الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ

سن رسیدہ مرد ہو یا عمر رسیدہ عورت یہ جب زنا کا ارتکاب کریں تو سزا کے طور پہ انہیں سنگسار کر دیا جائے اور یہ حکم قطعی ہے۔

تبصرہ یہ آیت اگرچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے لیکن اس کے باوصف بخاری نے اسے اپنی تصانیف میں ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ "کتاب المحاربین من اہل الکفرۃ والردۃ" کے باب "رجم المحصن" میں شیبانی سے جو روایت لائے ہیں، اس سے عقیدہ رجم کو اگرچہ سہارا مل جاتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ تاثر بھی موجود ہے کہ اسے قرآنی حکم تسلیم کرنے میں صحابہ کرام کو یقین نہیں تھا۔ ذیل میں شیبانی کے الفاظ میں اصل روایت ملاحظہ ہو۔

شیبانی کہتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفےٰ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کو سنگسار کیا تھا؟ — تو اس نے کہا جی ہاں!۔

میں نے پھر استفسار کیا کہ سورۂ نور جس میں زنا کی سزا کا ذکر ہے، اس کے نازل ہونے سے پہلے یا بعد میں؟

اس پر ابن ابی اوفےٰ نے کہا کہ "لا ادری" (معلوم نہیں)

(ملاحظہ ہو بخاری مع شرح عینی طبع العامرہ جلد ۱۱ / ۱۵۰)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد اکثر لوگوں کو سنگساری کے بارے میں شک گذرا تھا اور وہ برابر اس متضاد اور خلاف قرآن حکم کے معلوم ہونے پر ایک دوسرے سے استفسار کرتے رہتے تھے کہ سورۂ نور کے بعد بھی سزائے موت دی جاتی رہی!

صحابۂ کرام کو سنگ ساری کے وجود کے بارے میں کسی طرح کے استفسار کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اہل کتاب میں اس کا رواج تھا اور صحابۂ کرام اس سے بخوبی متعارف تھے۔ انہیں اگر کسی طرح کا شک گذرا تھا تو اس وقت ہی گذرا ہو گا جب کہ سورۂ نور کے بعد جرم زنا کی سزا کا تعین ہو چکا تھا۔ اور شک یہ تھا کہ سورۂ نور کے بعد بھی اہل کتاب کے لئے سزائے موت ہی کو باقی رکھا جا سکتا تھا یا یہ کہ ان پر بھی اسلامی سزا ہی کا نفاذ کیا گیا تھا؟ اور یہ شک اس بنا پر تھا، کہ قرآن پاک کہتا ہے کہ "غیر مسلموں کے فیصلہ جات کرنے میں نبی اکرمؐ خود مختار تھے۔ چاہے تو اسلامی فیصلہ سنا دیتے چاہے تو پرسنل لا کے طور پر ان کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرتے، جیسی مصلحت دیکھتے ویسے ہی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے۔

نیز بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا اور آپ کو یہ بات پسند تھی کہ ہر اس بات میں اہل کتاب کی موافقت فرماتے جس کے بارے میں وحی الٰہی کی راہنمائی نہ ہوتی۔

(بخاری مع فتح الباری طبع امیریہ ۱۳۰۱ھ جلد ۱/ ۳۰۴ - ۳۰۵)

ان وجوہات کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے شادی شدہ یا عمر رسیدہ زناکاروں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی سزا کو بحال رکھا اور آپ کا ایسا کرنا ارشاد خداوندی فبھدٰھم اقتدہ کے عین مطابق تھا (یعنی اے محمدؐ! غیر منصوص باتوں میں اہل کتاب کے دستور العمل اور اُسوے کی اقتدار کرو اور اس پر چلو (انعام: ۹۰)

لیکن سورۂ نور کے نزول کے بعد آپ نے اس پر نظر ثانی کر لی ہو گی جب ہی تو صحابۂ کرام اس بارے میں ایک دوسرے سے استفسار کرتے رہتے تھے۔

لہذا آیۂ رجم کا حکم اس پوزیشن میں نہیں رہ سکا کہ پورے یقین کے ساتھ ناسخانہ حیثیت اختیار کر سکتا۔

تورات میں رجم

یہ سوال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے نزدیک محصن (شادی شدہ) زانی کے لئے سزائے موت تھی؟

اس کا جواب امام بخاری کے ذیل کے الفاظ میں دریافت کیا جا سکتا ہے۔ امام موصوف "باب الرجم فی البلاط" میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت لائے گئے، جن کے جرم کے بارے میں بتلایا گیا کہ ان سے عمل زنا سرزد ہو چکا ہے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کتاب (تورات) میں کیا حکم ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے احبار (مولوی) ایسے مجرموں کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھا کر تشہیر کیا کرتے تھے۔

اہل کتاب کے اس جواب پر عبداللہ بن سلام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انہیں تورات لانے کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اور تورات لائی گئی اور جس وقت متعلقہ حصہ تلاوت کیا جانے لگا تو تلاوت کرنے والے یہودی نے "اصل آیت" پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا خیال تھا، کہ اس طرح اصل حکم معلوم نہ ہو سکے گا۔ لیکن عبداللہ بن سلام (متوفی ۶۶۴ء جو کہ خود بھی تورات کے عالم تھے) نے جب ماقبل اور مابعد پڑھا تو اس کے پلے کچھ بھی نہ پڑ سکا۔ اس پر ابن سلام نے یہودی کو ہاتھ اٹھانے کا اشارہ کیا اور ہاتھ اٹھنے پر معلوم ہوا کہ اس مقام پر آیۂ رجم درج تھی۔

اور رجم کا حکم معلوم کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل کتاب کے اپنے ہی دستور کے مطابق) دونوں مجرموں کو سنگسار کرا دیا۔

اس کے بعد ابن عمرؓ واقعہ کی مزید تفصیلات دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

امرِ نبویؐ کے بعد مجرموں کو بلاط (ریت آمیز پتھریلی جگہ) کے نزدیک سنگسار کیا گیا تھا۔ میں وہاں موجود تھا اور یہودی کو دیکھ رہا تھا کہ اپنی مزنیہ (محبوبہ) پر فداکارانہ جھک کر حفاظت کر رہا تھا۔ (بخاری)

یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح اور ایک ایسے پس منظر کا پتہ دے رہی ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے اس وقت ہی یہ واقع پیش آیا تھا، کیونکہ مدینہ منورہ ہی میں یہود میجارٹی موجود تھی۔ اور وہاں پر ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم چلانے اور فیصلہ صادر کرنے کے اہل ہوئے تھے۔

اس پس منظر میں جہاں رجم کا حکم سمجھ میں آسکتا ہے وہاں یہ عقدہ بھی کھل جاتا ہے کہ زنا کے لئے مدینہ میں ہی جسمانی سزا کا حکم مل چکا تھا، کیونکہ سورۂ نور مدنی ہے، اس کا مدنی سورتوں میں ۱۹' واں نمبر ہے، اور اس ہی میں سزائے موت کا نہیں جسمانی سزا کا نیا اور آخری حکم مل چکا تھا ـــــ اب یہ تصور کرنا کہ آپ ہی نے دیدہ و دانستہ قرآنی سزا کو نظر انداز فرما کر تورات کی سزا کو برقرار رکھا نبوت و رسالت پر بدترین الزام اور گھناؤنی تہمت ہے۔

بخاری کی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجم کی آیت دراصل تورات ہی کی آیت تھی اسے قرآن مجید کی آیت کہنا یا "آیۂ رجم" کے اشتباہ پیدا کرنے والے الفاظ سے یاد کرنا اصولی طور پر غلط اور علمی تقاضوں کے سراسر منافی ہے اس طرح درپردہ دونوں مدنی احکام میں تضاد اور مخالفت کا یقین اور اعتراف کر کے خود نسخ کے اصولوں کو بھی پامال کیا جا رہا ہے کہ ایک ہی وقت میں دو متضاد حکم نافذ ہوتے رہے یا یہ کہ ناسخ بھی کام کرتا اور منسوخ بھی چلتا رہا۔

تو کیا خدا کا علم اس حد تک معاذ اللہ ناقص ہو چلا تھا کہ ایک ہی دور میں دو متضاد حکم نازل کئے جاتے رہے!

حضرت عمرؓ کا خطبہ

جب آیۂ رجم اس معنے میں کتاب اللہ کی آیت ہے کہ تورات میں اس کا حکم اور وجود پایا جاتا ہے تو مناسب ہے کہ لگے ہاتھوں سیدنا فاروق اعظم کے الفاظ کا تجزیہ بھی ہونا چاہئے تاکہ ناسخینِ قرآن کی جانب سے پیش کردہ بہت سی ان غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہوتا جائے جو نہایت ہی

شدومد کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ لقد خشیت ان یطول بالناس زمان حتی یقول قائل لانجد الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا اللہ الاوان الرجم حق علی من زنی وقد احصن اذا قامت البینۃ اوکان الحمل او الاعتراف۔

یعنی ـــــ مجھے اندیشہ ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ کہنے والا یہ کہنا شروع کر دے "کہ" ہمیں کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں ملتا"

یاد رکھو کہنے والا، اللہ کے نازل کردہ ایک حکم کو ترک کر کے گمراہی کی طرف جا رہا ہے۔ رجم ایک حقیقت ہے۔ اس کا انکار گمراہی ہے

جان لو! ہر شادی شدہ زناکار کا سنگسار کرنا فرض ہے۔ زنا عینی شاہدوں کے ذریعہ ثابت ہو خواہ حمل اور اقرار کے ساتھ۔ (بخاری مع فتح الباری طبع بولاق جلد ۲/ ۱۲۶)

تبصرہ یہ روایت اتنی اٹھان کے باوصف اپنے مفہوم میں ایسی واضح "نص" کی حیثیت نہیں رکھتی جس کی رُو سے "رجم" کو ضرور ہی قرآنی آیت تسلیم کر لیا جائے کیونکہ اس کے الفاظ میں ہے کہ ـــــ "شادی شدہ عورت کا حمل بھی زنا کے عینی شاہد کی حیثیت رکھتا ہے"؟

حالانکہ "حمل" کی بناء پر صرف غیر شادی شدہ عورت ہی کو موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ شادی شدہ عورت کا حمل جب تک اس کا شوہر زندہ ہے ہر قسم کے اشتباہ سے پاک ہونا چاہیے۔

اور جہاں تک بیوہ عورت کی زنا کا تعلق ہے تو شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد از سرِ نو اس کی حیثیت کا تعین کر کے غیر شادی شدہ عورتوں ہی میں شمار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ گناہ ایک فطری رغبت ہے۔ بالغ انسان اس کے ارتکاب پر مجبور و مجبول ہے۔ اس کی سنگینیت اس وقت تو معقول ہو سکتی ہے جب ذریعہ تسکین موجود ہو اور انسان پھر بھی باز نہ آئے۔ لیکن جب اس کا ذریعۂ تسکین ہی نہ ہو تو ظاہر ہے اس کی حیثیت "بے ذریعہ" ہی ٹھہرے گی۔ اور گناہ کے حدود اور سزا کا دائرہ بھی غیر محدود نہیں رہے گا ـــــ لہٰذا غیر شادی شدہ عورت کے حمل کو زنا کے ثبوت کا ذریعہ تسلیم کر کے سَو دُرے کی سزا تو دی جا سکتی ہے لیکن اس بناء پر اسے سنگسار کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ فاروق اعظمؓ کی طرف منسوب شدہ الفاظ کے اس ٹیکنیکل سُقم (ذریعۂ تسکین کی عدم موجودگی) کی وجہ سے نہیں کہا جا سکتا کہ راوی نے کہاں تک ان میں تصرّف کیا تھا اور فاروقِ اعظمؓ کے مُوقف کے حُدود کیا تھے؟ ظن اور گمان پر تعزیرات اسلامی کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی!!

پھر یہ بھی مت بھولئے کہ

کہ شریعت ـــــ کے احکام اکثر تو قرآنِ پاک ہی کی صورت میں اترتے تھے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا، کہ وحی کی کسی اور قسم کے ذریعہ، یا کسی ایسی حدیث کے سبب جس کا مفہوم راوی نے بالمعنے متعین کیا ہو ثابت ہوتے تھے ـــــ

اور جہاں تک مفہوم اور روایت بالمعنے کا تعلق ہے روایت باللفظ کے بعد ہی متعین ہو سکتے تھے۔ لیکن یہاں روایت باللفظ کا وجود تو رہا اپنی جگہ پر اسکے "امکان" کا گذر بھی ناممکن ہے لہذا مفہوم اور متن کے اس ٹیکنیکل سقم نے رجم کی قطعی حیثیت کو مشتبہ اور غیر یقینی بنا دیا ہے۔ یہ علاوہ اس کے کہ اس روایت کی :

سند کے راویوں میں سفیان بن عیینہ واقع ہیں جو امام زہری سے غیر یقینی الفاظ میں "عن" کہہ کر روایت کرتے ہیں، خاص کر وہ مدلس بھی تھے۔ لہذا جب تک "عن" کی بجائے کسی ایسے لفظ کے ساتھ روایت نہ کی جائے جس میں "سماع" اور "بالمشافہ" روایت لینے کی صراحت ہو، اس وقت تک اس کی روایت ناقابل حجت اور ناقابل تسلیم ہے۔ پھر لطف ملاحظہ ہو کہ امام زہری خود "مدلس" ہو کر بھی اپنے استاد عبید اللہ سے "عن" ہی کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ جس سے روایت ہذا کے ضعیف ہونے کے دوسرے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں، اسی طرح عبید اللہ نے بھی ایسی کوئی وضاحت نہیں کی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ اس نے عبد اللہ بن عباس سے بالمشافہ روایۃ سنی ہے یا بالواسطہ؛ کیونکہ ایک اصول کا اطلاق اگر "بخاری" سے باہر کے راویوں پر ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بخاری کے راوی کسی قاعدے قانون سے مستثنے قرار دئے جائیں؛ میرا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کے راویوں کا جو تعارف کرایا گیا ہے وہ کسی قاعدے قانون کے خلاف نہیں ہے۔ لہذا یہ سقم بھی ایک تعزیراتی بیان کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ اس کی اساس پر کسی حقیقت کا سراغ لگایا جا سکے۔

یہ یاد رہے کہ امام بخاری نے رجم کی آیت کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان میں عمر رسیدہ زناکاروں کا ذکر ہے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی تفریق نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوعمر یا کنواری بدکار عورت جتنی بار فحاشی کا ارتکاب کریں گے ان پر سزائے موت کا اطلاق نہ ہو سکے گا۔

یہ بات ہم اپنی طرف سے کہہ کر ایک خود ساختہ آیت کا مذاق نہیں اڑا رہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ادبیات عرب کے اتنے وسیع و عریض لٹریچر میں کہیں بھی الشیخ والشیخہ (عمر رسیدہ مرد و عورت) کو شادی شدہ کے مفہوم میں استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اب اگر یہ الہامی آیت ہوتی تو کم از کم مفہوم و معنے کے اعتبار سے اتنی خامی اور خلفشار کی حامل نہ ہوتی۔

فاروق اعظم کی دوسری روایت

امام بخاری علیہ الرحمۃ باب "رجم الحبلی فی الزنا اذا احصنت" میں روایت کرتے ہیں کہ (بحذف تفصیل) حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا ہے کہ ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ آیۃ الرجم فقرأنا ھا وعقلنا ھا ووعیناھا۔ رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فاخشٰی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل واللہ ما نجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ، فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا اللہ۔ (الحدیث)

اس کا ماحصل یہ ہے کہ :

اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادیٔ برحق بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اور اس کتاب میں منجملہ دیگر آیتوں کے آیۂ رجم کا نزول بھی فرمایا جسے ہم نے تلاوت کیا، سمجھا اور حافظہ دماغ میں محفوظ کر لیا کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برابر رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی کیا۔

لیکن اب مجھے ڈر ہے کہ عرصہ دراز گذرنے پر کہنے والے یہ کہہ دیں کہ "آیۂ رجم کتاب اللہ میں نہیں ملتی"۔

اور اگر ایسا ہوا تو یقینی امر ہے کہ وہ لوگ ایک ایسے الٰہی حکم کے تارک بن جائیں گے جسے اللہ سبحانہٗ نے نازل فرمایا تھا۔ (بخاری بمع فتح الباری جلد ۱۲/)

جائزہ

خلیفۂ دوم کے یہ الفاظ اگر کسی طرح کے مجاز اور مبالغہ پر مبنی ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ ایک مومن صادق کے لئے فرمانِ رسالت (بشرطِ ثبوت) کی اطاعت فرض ہے اور رسالت کی زبان سے ادا کردہ کلمات (بشرطِ ثبوت) کتابِ مقدس کے فرامین کی طرح واجب الاحترام ہیں۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیۂ رجم کو ایسی آیت تسلیم کرنا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ "قرآن" میں تلاوت فرماتے رہے۔ بلکہ بقول عمرؓ (غفرانا ھا) تمام صحابۂ کرام بھی پڑھتے رہے (مگر بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی) تو ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی اساس نہیں ہے۔ ایسی آیت کی بنیاد ٹھوس اور اٹل دلائل پہ ہونی چاہیے۔ ذہنی خوف اور ہراس کا سہارا لے کر نہیں۔

ضیحے سیدنا عمرؓ کے علاوہ ضروری تھا کہ ایک دو نہیں سینکڑوں دوسرے صحابہ کرام بھی اس کی گواہی دیتے ذکر کرتے، حفظ رکھتے اور دوسروں کو سناتے، لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیۂ رجم، ایک غیر محفوظ کلام تھا جو مفروضہ تابانیوں کے باوجود روایت باللفظ تک کی حیثیت بھی حاصل نہ کر سکا۔ جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

خلیفۂ ثانی آیۂ رجم کو وحیٔ قرآنی ثابت نہ کر سکے

یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابۂ کرام آیۂ رجم سے بالکل ناآشنا اور بے خبر تھے اور خود فاروق اعظم بھی اتنے بڑے دعوے کے باوصف "قرآنی تحقیقاتی کمیٹی" کے سامنے رجم کو قرآن ثابت کرنے میں ناکام عاجز، بے بس اور درماندہ رہ گئے تھے۔ ذیل کا واقعہ اس کا زندہ ثبوت اور کھلی تصدیق ہے۔

جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں کہ

وقد اخرج ابن اشتہ فی المصاحف من اللیث بن سعد قال اول من جمع القرآن ابوبکر وکتبہ زید بن ثابت وکان لا یکتب آیۃ الا بشا ھدی عدل وان آخر سورۃ براۃ لم توجد الامع ابن خزیمۃ بن ثابت فقال اکتبوھا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل

شہادتہ بشہادۃ رجلین فکتب وان عمراتی بآیۃ الرجم فلم یکتبہا لانہ کان وحدہ۔

یعنے ___ قرآنِ پاک کو سب سے پہلے جمع کرنے والے صدیق اکبرؓ اور لکھنے والے زید بن ثابت تھے اور زید احتیاط کے پیشِ نظر اس وقت تک کوئی آیت قلم بند نہ فرماتے جب تک کہ دو عادل گواہ اسکی شہادت نہ دیتے ___ چنانچہ دیکھا گیا کہ سورہ براۃ کا آخری حصہ تنہا ابن خزیمہ کے پاس ہی سے ملا اور اسے اس بناء پر ہی مصحف میں درج کر لیا گیا کہ ابن خزیمہ کی تنہا ایک گواہی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عادل گواہوں کی تصدیق کے برابر قرار دیا تھا لیکن کسی دوسرے کو یہ فضیلت حاصل نہیں تھی، حتٰے کہ فاروق اعظم بھی بایں جلالت شان اس خصوصیت کے حامل قرار نہیں پائے چنانچہ آپ نے آیۂ رجم کو قرآنی جیوری کے سامنے پیش کیا تو آپ کی آیت کو اس بناء پر رد کر دیا گیا، کہ آپ کسی دوسرے کو گواہ کے بطور پیش نہ کر سکے (اور اس طرح یہ آیت قرآن کی آیت ثابت نہ ہو سکنے کے باعث خارج از قرآن ایک عربی عبارت کا ٹکڑا ہی قرار دے دیا گیا)

(الاتقان۔ طبع المکتبۃ التجارۃ الکبریٰ مصر جلد ۱/۲۰/۱۳ تا ۱۵)

ایک وضاحت قرآنِ پاک اپنی قرآنیت پر کسی خارجی سہارے کا محتاج نہیں ہو سکتا، وہ اپنے وجود پر ناطق اور گواہ ہے (تنزیل من حکیم حمید) اور سورۂ براۃ کے آخری حصے کے لئے یہ درست ہے کہ ابن خزیمہ کی تنہا گواہی کو دو کی تصدیق کے برابر کہہ کر فاروق اعظم کے جذبات کو مجروح نہ کرنے کا نفسیاتی جواز پیش کیا گیا ہے لیکن اگر ابن خزیمہ کی گواہی کا دوہرا اعتبار نہ ہوتا تو بھی سورۂ براۃ کا آخری حصہ قرآن ہی تھا۔ اس پر صحابہ کرام پوری صراحت سے گواہی دے سکتے تھے، بلکہ امام ابن کثیر نے تو صاف طور پر لکھ بھی دیا تھا کہ سورۂ براۃ کا آخری حصہ یعنے لقد جاءکم رسول من انفسکم تنہا ابن خزیمہ کے پاس ہی نہیں ملا حضرت عثمان غنیؓ بھی اس کے گواہ تھے۔

(فضائل القرآن طبع مصر ۱۹۵۲ء صہ ۹ سطر ۱۸ تا ۲۱)

جائزہ اس وضاحت کے بعد اب آپ سیوطی کی روایت کا جائزہ لیجئے:

سیوطی مرحوم کی یہ روایت اپنے مفہوم میں واضح اور مدلول میں غیر مبہم ہے کہ:

(حسب روایات) عمر فاروقؓ حرص شدید، اور مبالغہ کی حد تک آیۂ رجم کو محفوظ رکھنے کے باوصف "جیوری" کے سامنے یکہ و تنہا رہ گئے اور تصدیق کے لئے ایک آدھ گواہ بھی پیش نہ کر سکے اور اسی طرح آیات احکام میں سے ایک نہایت ضروری آیت کتاب اللہ میں درج ہونے سے رہ گئی۔ بلکہ روایات ہی میں ہے کہ:

جب فاروق اعظم آیۂ رجم کو "کتاب اللہ" کہہ چکے تو حضرت عبدالرحمان بن عوف (متوفی ۶۵۲ء) نے آپ کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے برسر محفل ٹوک بھی دیا تھا۔

کیونکہ اس طرح لوگوں میں غلط فہمی پھیلنے کا امکان ہو سکتا تھا کہ "کتاب اللہ" سے حقیقی کتاب اللہ مراد ہے یا مجازی

(بحوالہ عبدالمتعال الجبری "النسخ فی الشریعۃ الاسلامیۃ" طبع مصر صہ ۱۳ سطر ۱۵ تا ۱۷)

رجم کی قرآنیت سے رسول اللہ کا انکار

مذکورہ بالا حوالہ جات سے آپ معلوم کر چکے کہ صحابہ کرام احکام الٰہی کے حفظ اور عمل میں حرص شدید کے باوصف آیہ رجم کو نہیں جانتے تھے بلکہ خود فاروق اعظم کو بھی تحقیقاتی جیوری کے سامنے اپنا مدعا ثابت کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی اور اسی ہی ناکامی کی وجہ سے آیہ رجم قرآن میں درج ہونے سے رہ گئی۔

کیا ایسے میں آپ کا دہائی دینا اور خلیفہ رسولؐ کی حیثیت سے یہ کہنا کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ عرصہ دراز گذرنے پر رجم کو وحی الٰہی تسلیم کرنے سے لوگ انکار کر دیں گے"

ثابت نہیں کر رہا کہ صحابہ کرام نے پوری شدت سے مزاحمت کی تھی۔ کیونکہ آپ کے اندیشے کا اسلوب ہی واضح کر رہا ہے کہ آپ کو مزاحمت کا سامنا اپنی زندگی ہی میں کرنا پڑا تھا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کے انکار کے عرصہ دراز بعد امت اسلام اگر آیہ رجم سے انکاری ہو گئی تو اسے کیونکر لعن طعن کا مورد قرار دیا جا سکتا ہے؟

کیا رجم کو وحی قرآن تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے صحابہ کرام بھی "گمراہ" کہے جا سکتے ہیں یا کہ "مستثنٰے" قرار دیئے جائیں گے؟

آیئے! ہم آپ کو بتلائیں کہ حضرت فاروق اعظم تو صحابہ کرام اور امت اسلام کے منفی رویئے سے نالاں تھے کہ انہوں نے آپ کی آیت کو وحی قرآنی تسلیم نہیں کیا تھا۔ لیکن آپ اگر تھوڑی سی زحمت گوارا کر کے اوپر کو جائیں تو معلوم ہو گا کہ خود صاحب رسالت، سرکار نامی لقب صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیہ رجم کو وحی قرآنی تسلیم نہیں کرتے اور قرآن میں درج کرنا مکروہ و حرام جانتے تھے۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار و ناپسندیدگی کے راوی بھی خود فاروق اعظم ہی ہیں تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ ذیل میں امام بخاری کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلفظہ انکار ملاحظہ ہو:

محدث اعظم امام ابویعلیٰ موصلی (متوفی ۳۰۷ھ ۹۱۹ء) اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ

حدثنا عبید اللہ بن عمر القواریری حدثنا یزید بن زریع حدثنا ابو عون عن محمد بن سیرین قال ابن عمر نبئت عن کثیر بن الصلت قال کنا عند مروان وفینا زید بن ثابت کنا نقرأ "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتہ"

قال مروان الا کتبتھا فی المصحف؟ قال ذکرنا ذالک وفینا عمر بن الخطاب فقال انا اشفیکم من ذالک قال قلنا فکیف؟

قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فذکر کذا وکذا وذکر "الرجم" فقال یا رسول اللہ اکتب لی آیۃ الرجم قال لا استطیع الان۔

یعنی ۔ "حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کثیر بن الصلت کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ابن الصلت نے کہا کہ ایک بار ہم خلیفہ مروان کی مجلس میں بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ زید بن ثابت بھی ہم نشین تھے۔ اثنائے گفتگو آیہ رجم "الشیخ والشیخۃ" کا ذکر چھڑ گیا (کہ یہ قرآن ہے یا نہیں؟")

" اس پر مروان نے زید بن ثابت سے کہا کہ آپ نے اسے مصحف میں کیوں درج نہیں کیا ؟
حضرت زید نے جواب دیا کہ اسی نوعیت کا ایک مباحثہ فاروق اعظم کی موجودگی میں ہمارے مابین
بھی ہوا تھا تو فاروقِ اعظم نے کہا تھا کہ میں تمہیں دربارِ نبویؐ کا واقعہ سناتا ہوں، جس سے تم سب کی
تشفی ہو جائے گی " پھر فرمایا کہ
" مجلس نبوی میں ایک شخص حاضر ہوا اور آزاد موضوع پر باتیں کرتے کرتے رجم کا ذکر آگیا۔ اس پر
سائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ آیۂ رجم کو اسے لکھ کر دیا جائے ؟
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خواہش کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ لا استطیع الآن
مجھے یہ اتھارٹی نہیں ہے کہ اب میں وحیٔ قرآنی میں بھی اضافہ کروں یا آیۂ رجم کو قرآنیات میں جگہ
دے ڈالوں ؟ (بحوالہ ابو یعلیٰ)

جائزہ ضبطِ واقعات میں انسانی ذہن ہمیشہ خارجی سہاروں کا محتاج رہا ہے اور اسی ہی فطری کمزوری کا نتیجہ ہے
کہ ایک ہی واقعہ کو جب مختلف اشخاص بیان کرتے ہیں تو بسا اوقات مفہوم تک مختلف ہو جاتا ہے
ابن اشتہ کی کتاب المصاحف کے حوالہ سے آپ معلوم کر چکے ہیں کہ فاروق اعظم کو رجم کا ثبوت دینے میں شدید ناکامی
ہوئی اور اسی ہی ناکامی کا سبب تحقیقاتی عدالت کے جج زید بن ثابت کی شخصیت ہی تھی۔ لیکن
ابن اشتہ (متوفی ۳۶۰ھ) کی اس تفصیل کے برعکس ابو یعلیٰ اسی ہی واقعہ کو ایک اور راوی کے ذریعہ جب بیان
کرتے ہیں تو اس کا طرزِ بیان بالکل ہی مختلف ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ
ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ التماس کیا تھا کہ " آیۂ رجم کو آپ
مناسب جگہ پر اسکے مصحف میں تحریر فرما دیں " مگر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطالبہ کو رد کرتے
ہوئے کلام الٰہی میں اضافہ کرنے سے معذوری اور اپنے اختیارات میں تجاوز نہ کرنے پر مجبوری کا اظہار
فرما دیا۔
اس کے معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آیۂ رجم کو وحی الٰہی کی طرح قلمبند فرمانے سے انکار کرنا فاروق
اعظم کو معلوم تھا اور یہ بھی علم میں تھا کہ آپ نے اس واقعہ کو زید بن ثابت سے بھی ذکر کر دیا تھا۔ اس کے باوصف
آپ بھول گئے اور انکارِ نبویؐ کو فراموش کرتے ہوئے دربارِ نبویؐ کے ایک دوسرے سائل کی طرح خود بھی
شخصی طور پر خواہاں رہے کہ " جمع قرآن " کے وقت کسی طرح یہ آیت قرآن میں درج ہو جاتی، تعجب انگیز اور
اور ناقابلِ یقین حد تک واقعہ ہے ؟
کیا اسے ہم عمر فاروق کا وہم قرار دیں تو کسی طرح کے بشری خصائص سے بعید ہو سکتا ہے ؟
آخر حق المہر کے بارے میں بھی تو آپ نے ایک عورت کے ٹوک دینے پر اپنی بشری کمزوری کا یہ کہہ کر
اعتراف کیا تھا کہ " عمر سے ایک بڑھیا بھی قرآن کا زیادہ علم رکھتی ہے "

پس اگر حق المہر کے بارے میں آپ سے ذہول ہو سکتا تھا، تو کسی اور معاملہ میں اس امکان سے کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے؟

عمرؓ کے مطالبہ پر رسول اللہؐ کا شدید انکار

ابو یعلی کی روایت میں جس نامعلوم شخص نے رجم کو درج کرنے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی تھی، ذیل کے واقعہ میں بتلایا گیا ہے کہ دربارِ نبویؐ کا وہ نامعلوم سائل خود فاروق اعظم ہی تھے اور آپ نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی تھی کہ آیۂ رجم کو مناسب اور موزوں جگہ پر قرآن پاک ہی میں تحریر فرمایا جائے — مگر بقول عمر فاروق (فکانہ کرہ ذالک)

"آپؐ نے اس مطالبہ پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے قرآن میں اس کے اندراج کو مکروہ (اور حرام) جانا اور انکار فرمادیا۔" (المستدرک طبع اول ۱۳۴۲ھ حیدرآباد جلد ۴/۳۶۰/ ۲ تا ۴، نیز امام ذہبی کی "ذیل المستدرک" صہ مذکور سطر ۲ تا ۲۳)

یہ حدیث امام حاکم نے بخاری کے شرط پر دو اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

قرآن میں درج نہ کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ بتصریح بخاری۔ یہ تورات کی آیت تھی۔

(باب الرجم فی البلاط میں ابن عمر کا بیان ملاحظہ ہو نیز اسے بلفظہٖ قرآن میں درج کرنے سے قرآن کے تازہ حکم (سورۂ نور) کی لفظاً اور معناً تکذیب ہو جاتی تھی۔ (اس ضمن میں مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔ باب دوم منسوخ ۲۱۲)

ان تفاصیل سے واضح ہوتا ہے کہ آیۂ رجم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور خود فاروق اعظم کے نزدیک بھی وحیٔ قرآن کی حیثیت نہیں رکھتی لہٰذا ہم یہ ماننے پر مجبور نہیں ہو سکتے کہ "رجم ایسا قرآن تھا جس کا حکم تو باقی رہا، مگر تلاوت منسوخ ہو گئی"؟ (اس ضمن میں ملاحظہ ہو منسوخ ۸۵، ۵۱، ۱۰۴ اور ۲۱۲)

امام ابن حزم کا اعتراف

اسلامی اندلس کے مشہور مجتہد امام ابو محمد علی بن حزم عام مفسّروں کی طرح وحیٔ الٰہی کو حدیث نبویؐ کے ذریعے منسوخ کرنے کے قائل تھے۔ (المحلی طبع اول صہ جلد ۱) اور عقیدۂ نسخ کے منکرین کو گمراہ بے دین اور ذہنی خبیث کے القاب سے یاد کرتے تھے (الاحکام طبع اول مصر جلد ۴) لیکن — اس مقام پر آپ بھی خارج از قرآن کسی چیز کو وحیٔ قرآنی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے۔ آیۂ (رضاعت اور آیۂ) رجم کو آپ بھی ایسی وحی سے تعبیر نہیں کرتے تھے جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو۔ چنانچہ منکرین نسخ کے جواب میں اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ، قد قال قوم فی آیۃ الرجم انہا لم تکن قرآنا وفی آیات الرضعات کذالک ونحن لانابی ھذا ولانقطع انہا کانت قرآنا متلوا فی الصلوات ولکنا نقول.

"کچھ لوگوں نے آیۂ رجم کے بارے میں اعتراض اٹھایا ہے کہ یہ قرآن نہیں تھا اور اسی ہی نوعیت کا ان کا دوسرا اعتراض "رضعات" والی آیات کے متعلق بھی ہے۔"

ہمیں ان کے اعتراضات کا پورا احساس ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یہ آیات قرآن کی حقیقی آیات نہیں تھیں، جن کی نمازوں میں تلاوت کی جاتی ہو۔ لیکن ہم ان معنوں ہی میں انہیں وحی کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ سبحانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی اتاری تھی۔ اسی طرح خدا نے کسی اور نوعیت کے وحی سے بھی آپ کو مطلع کیا ہوگا۔

("الاحکام" طبع خانجی مصر جلد ۴/ ۲۹/ ۷ تا ۱۱)

یہ تصریح کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ابن حزم کے نزدیک بھی آیۂ رجم وحیٔ قرآنی کی ترجمان نہیں تھی۔ اب اگر امام صاحب اسے وحی کی کسی بھی قسم کی ذیل میں شمار کرکے اپنے ہی ہم مسلکوں کا بھرم رکھنا چاہتے ہیں تو اس پر ہمارا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہمیں تو ان کا یہ اعتراف ہی بھلا لگتا ہے کہ ـــــ آیۂ رجم نہ تو قرآن ہے اور نہ ہی وحیٔ قرآن کی طرح نمازوں میں تلاوت کئے جانے کے قابل !! ـــــ البتہ امام موصوف کی یہ بات دیدہ و دانستہ لاعلمی اور بے خبری کی آئینہ دار ہے کہ "کچھ لوگوں نے" کہہ کر آپ نے بات چلائی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ ان "کچھ لوگوں" کی نشاندہی بھی فرما دیتے کہ وہ کون تھے؟ کیونکہ ہمارے علم میں وہ لوگ خود صحابۂ کرام ہی تھے یا پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس جنہوں نے "رجم" کی قرآنیت کو پورے وثوق سے مسترد کر دیا تھا۔

امام صقلی کا انکار

امام ابو عبد اللہ بن ظفر بن محمد الصقلی ـــــ (متوفی ۵۶۸ھ / ۱۱۶۹ء) اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الینبوع" میں رقمطراز ہیں کہ

"حضرت فاروق اعظم کی حدیث (رجم) خبر واحد نوعیت کی ہے جس کے ذریعے رجم کو قرآن پاک کی آیت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔" (بحوالہ البرھان طبع عیسٰی البابی قاہرہ جلد ۲/ ۳۶/ ۸ تا ۹)

بدرالدین زرکشی کی جرح

علامہ بدرالدین زرکشی (متوفی ۱۳۹۱ء) کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کی کتاب "البرھان فی علوم القرآن" اہل علم سے خراجِ تحسین لے چکی ہے۔ جلال الدین سیوطی کی کتاب "الاتقان" کے مآخذ کی حیثیت سے علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ آپ بھی حدیث عمرؓ کو اس بنا پر قرآن تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے کہ "رواہ البخاری فی صحیحہ معلقاً"

عمر فاروق والی اس حدیث کو بخاری نے "معلق" احادیث میں شمار کیا ہے (جو بخاری کی شرائط کی روشنی میں ضعف کی غماز ہے۔ ط)

(البرھان جلد ۲/ ۳۵/ ۶ تا ۹ طبع اول ۱۹۵۷ء عیسٰی البابی قاہرہ)

باقلانی کی فیصلہ کن تنقید

علامہ زرکشی نے "اعجاز القرآن" کے مشہور مصنف قاضی ابوبکر باقلانی (۴۰۳ھ) کی "الانتصار" کے حوالے سے لکھا ہے کہ

قاضی موصوف بھی آیۂ رجم اور اس کی نوعیت کی دیگر روایات کو (جن کو منسوخ التلاوۃ قسم کا قرآن کہا جاتا ہے)، خبر آحاد ہونے کی وجہ سے قرآن نہیں مانتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ لا یجوز القطع

علی انزال قرآن ونسخہ باخبار آحاد لاحجۃ فیہا

قرآنِ پاک کی تنزیل کا معاملہ ہو خواہ تنسیخ کا خبرِ آحاد نوعیت کی اساس پر تسلیم کرنا جائز نہیں ہے

(البرہان جلد ۲/ ۴۰ / ا تا ۲)

شگوفہ سیوطی

جلال الدین سیوطی جن کی علمی رفعتوں کا ہمیں اعتراف ہے بایں علم و دانش فکرِ عمرؓ کو وحی قرآن کی ہمسری عطا کرنے پر مصر نظر آتے ہیں۔ وہ ابن خطاب کے التماس پر رسول اللہ کے انکار کی تاویل کر جاتے ہیں کہ

تلاوت اس لئے منسوخ ہوگئی یا امرِ الٰہی سے اٹھالی گئی کہ اس میں شدید اور سنگین نوعیت کی سزا کا مذکور تھا۔

یعنے ___ پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا وغیرہ

اور یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے باعثِ رحمت بن کر تشریف لائے اور سخت احکام کو یسر اور تخفیف کے پڑے میں ڈال کر برداشت اور عمل کے قالب میں ڈھال گئے۔ نسخت الآیات تلاوۃ لاحکما تخفیفا علی الامۃ بعد م اشتہار تلاوتہا ___ بنا بریں۔

امت پر رحم کرتے ہوئے رجم کی آیات کو مشتہر نہیں کیا گیا تاکہ اس کی ہولناکی اور شدت سے سہم کر لوگ گھبرا نہ جائیں۔ لہٰذا صرف حکم کا اشتہار کافی سمجھا گیا۔ (الاتقان جلد ۲/ ۲۲)

گویا سیوطی صاحب آیۂ رجم کی تلاوت کو منسوخ نہیں صرف غیر اشتہاری حکم ہی تسلیم کرتے ہیں اور غیر اشتہاری ہونے کا فلسفہ یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس طرح لوگ سنگساری کی ہولناکی سے خائف نہ ہو سکیں گے ___ گویا سیوطی کے نزدیک مسلکِ علماء کے برعکس اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہے صرف غیر اشتہاری درجہ رکھتی ہے وغیرہ ؟

جائزہ

ہمارے نزدیک سیوطی کی یہ تعلیل کئی وجوہ سے باطل ہے کیونکہ

۱ ___ یہ امکان ہی سے خارج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کامل پر مامور ہو کر بھی قرآن حمید کے مزعومہ "سنگین" حصّے کی تلاوت روک دیں۔ جب کہ قرآن حمید نے شدید لہجہ میں تنبیہہ کی ہوئی ہے کہ:

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ

اے رسول (علیک السلام) جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اسے (حرف بہ حرف) پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو جان لو کہ رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی (اور اس سے بڑا جرم ہی نہیں ہو سکتا) (مائدہ، ۷۰)

اتنی سخت تنبیہہ کے باوصف آپ کی ذات گرامی تبلیغ کے ایک ایسے اسلوب کی طرف جھک پڑے جس میں "سنگینیت" کو اپنی طرف سے تخفیف میں بدل ڈالیں یا نشر و اشاعت کا ایسا انداز اختیار فرمادیں جو انبیاء کے فرائض منصبی سے مختلف ہو۔ ناقابلِ تسلیم ہے۔ سیوطی کا اگر یہی مقصود ہے تو بجائے خود یہ سب سے بڑا عیب اور نقص ہے جو تبلیغ وحی کے سلسلے

ہیں کسی نبی میں پایا جانا چاہیے۔ العیاذ باللہ !

۲ ـــ سیوطی کی اس مایۂ ناز تاویل میں دوسرا نقص یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں اس سے بھی سنگین اور نوعیت کے لحاظ سے اس سے بھی شدید تر سزاؤں کا ذکر ہے۔ مثلاً مرکزِ اسلام سے بغاوت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ :

خدا اور رسول کے دشمنوں، قتل و غارت اور فساد فی الارض بپا کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ
وہ ـــ قتل کر دیئے جائیں، اُلٹا لٹکا دیئے جائیں، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور یہ کہ
گھر بدر (جلاوطن یا قید) کر دیئے جائیں۔ (خلاصہ از مائدہ ۳۲)

کیا سیوطی فارمولے کے مطابق ان آیات کو قرآنِ پاک سے نکال دیا گیا تھا یا ان کی تلاوت کو غیر مشتہر کرنے کے لئے کوئی پوشیدہ طرزِ تلاوت ایجاد کیا گیا تھا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ انہیں تو قرآنِ پاک میں رہنے دیا گیا، مگر آیۂ رجم کو مسترد اور مردود سمجھ لیا گیا؟

کیا اسے سنگین قسم کی آیت شمار کرکے حذف کر دینا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے واضح اور کھلے مفہوم سے میل کھاتا ہے؟

کیا ـــ یہ معقول ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی آیت کو فراموش کر دینے کا مشورہ دیں، جو ایک قانونی حکم کی حامل ہے؟

۳ ـ نیز یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۂ رجم کی تلاوت اور تحریر کو رکوا دیا تاکہ صحابۂ کرام اس کی ہولناکی اور سنگینیت سے ہمیشہ حالتِ خوف میں نہ رہیں۔ جہاں واقعات کی رُو سے لغو اور لایعنی ہے آیۂ "قصاص" کی موجودگی میں بیہودہ اور خلافِ واقعہ بھی ہے۔

اور ـــ حقیقت میں دیکھا جائے تو سیوطی مرحوم نے بات کو الجھانے کی خاطر ایک ایسی غیر متوازن تعلیل کا سہارا لیا ہے جو بقول اقبال

ولے تاویل شان در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

ایسی تاویل ہے جس نے خدا، رسول اور جبرئیل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ آیۂ رجم ـ نہ تو وحیِ قرآنی تھی اور نہ ہی قرآنِ پاک میں داخل ہو سکتی تھی لہٰذا "لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ" کے مطابق مسترد تھی اور مسترد کر دی گئی۔ سیوطی وغیرہ ایسی مضحکہ خیز تاویلات کا شکار ہوئے جو یقیناً ان کے علمی مقام اور منصب کے منافی تھا۔ اعاذنا اللہ من شرور انفسنا

اصل راز کیا ہے؟

سیوطی وغیرہ کسی غلط تاویل کے سہارے دامنِ نبوت کو اگر داغدار بنانے کی کوشش نہ کرتے تو رجم کے وحیِ قرآنی نہ ہونے پر ہم بھی اتنا اصرار نہ کرتے۔ لیکن ان کی جانب سے غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنے پر ہم نے تفصیل سے جوابی عمل شروع کر دیا ہے اور جواب کی نفسیات کا ہر ایک کو پتہ ہے کہ اس میں محاسبہ کی شدت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ہم نے پہلے بھی عنوان "حضرت عمرؓ کا خطبہ" کے تبصرے میں اس راز کا

افشا کیا تھا اور اب علامہ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ میں دوبارہ اظہار کیا جا رہا ہے کہ

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتہ کے الفاظ سے مترشح ہو رہا ہے، کہ "سن رسیدہ عورت یا سن رسیدہ مرد۔ اگر زنا کے مرتکب ہوں تو انہیں سنگسار کیا جائے" لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ "سن رسیدہ" شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ؟ حالانکہ اصل مقصد شادی کے بعد ارتکاب زنا کی سزا کا تعین کرنا تھا جو کہ ان جملوں سے پورا نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد حافظ صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ:—

الشیخ والشیخۃ کے الفاظ سے عمر رسیدہ کی بجائے شادی شدہ مراد لینا چونکہ ظاہر کے خلاف تھا لہٰذا مفہوم کی اس ٹیکنیکل غلطی کو ملحوظ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر خطاب کے اصرار کے باوصف، اسے قرآن پاک میں درج نہیں فرمایا۔

(خلاصہ از فتح الباری طبع بولاق ۱۳۰۱ھ مصر جلد ۱۲/۱۲۷ آخری پانچ سطریں اور ص۱۲۸ سطر ۱)

تبصرہ حافظ ابن حجر نے شیدائیان نسخ کے مضبوط قلعے کو ڈائنامیٹ کر دینے کے لئے غیر شعوری طور پر ایسا مہلک مواد فراہم کر دیا ہے جو ہمارے خیال میں اس مکتب فکر کے تمام حاملین کو موت کی گہری نیند سلا دینے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

یعنے — آپ نے واضح کر دیا ہے کہ یہ خود ساختہ آیت، اعجازی قوتوں سے عاری ہونے کے علاوہ مفہوم کی فاحش ٹیکنیکل غلطی کی آئینہ دار بھی ہے اسے قرآن کے شایان شان تو ایک طرف عام انسانی محاورات کی سطح پر تسلیم کرنا بھی ذوق لطیف پر زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔ د ہوالمقصود (مکۃ المکرمہ ۷ ربولائی ۱۹۶۲ء)

کتاب اللہ سے مراد کیا ہے؟ فاروق اعظم کے خطبوں میں "آیہ" کا لفظ استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس ضمن میں برسبیل تنزل اگر ہم یہ توجیہ عرض کر دیں کہ "آیۃ" اور "آیات" کا اطلاق "حکم" پر بھی ہوا ہے۔ لہٰذا سیدنا عمرؓ نے "آیہ" کا استعمال خالی "حکم" کے لئے ہی کیا ہو گا تو اس امکان کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک دو بار آپ نے "کتاب اللہ" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، جس سے لوگوں کو اشتباہ ہو سکتا تھا، لیکن اس سے بھی ہمارے نزدیک حقیقی کتاب اللہ مراد نہیں، تورات ہی مطلوب ہو سکتا ہے اور یہ مفہوم ہم نے اپنے جی سے نہیں خود بخاری شریف کے "باب الرجم فی البلاط" والی حدیث ہی سے اخذ کیا ہے جس میں واضح طور پر "تورات" ہی کو "کتاب اللہ" کہا گیا ہے۔ ذیل کا واقعہ ہمارے اس دعوے کا زندہ ثبوت فراہم کر رہا ہے۔

ایک اعرابی نوجوان لڑکا ایک بڑے آدمی کے پاس ذاتی ملازم تھا۔ گھریلو نوکر ہونے کی وجہ سے اہل خانہ سے بے تکلف رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ صاحب خانہ کی بیوی سے اس کے ناجائز مراسم شروع ہو گئے اور پیار و محبت نے عملی شکل اختیار کر لی اور معاملہ پنچایت تک پہنچ گیا۔ پنچایت نے

جان بخشی کے فدیے کے طور پر فیصلہ کیا کہ زانی کو فدیہ کے طور پر ایک عدد غلام اور ایک سو بکریاں ادا کر دینی چاہئیں ۔ چنانچہ لڑکے (زانی) کے والد نے اس کا انتظام کر دیا ۔ لیکن اتنا مال دے کر اپنے لڑکے کو چھڑا لینے کے بعد اس کے دل میں شبہ گزرا کہ برادری نے جو فیصلہ کیا ہے ممکن ہے غلط ہو ۔ کیوں نہ مذہبی فیصلہ حاصل کر لیا جائے جس سے دیئے ہوئے مال کی واپسی کی کوئی سبیل بھی نکل آئے ۔ چنانچہ اس شخص نے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں اور تلاش و تحقیق کے نتیجہ میں جلد ہی اسے معلوم ہو چلا کہ ـــــ

زنا کی سزا تو ہوتی ہے فدیہ نہیں ہوتا ـــــ تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ماجرا سن کر فیصلہ دینے سے پہلے اس پر واضح فرما دیا کہ لاقضین بینکم بکتاب اللہ میں تمہارا قضیہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصل کروں گا پھر فرمایا کہ

المأۃ شاۃ والخادم رد علی ابنک جلد مأۃ و تغریب عام

" زنا کے فدیہ میں دیا ہوا مال (سو بکریاں) اور غلام واپس لے لو اور تمہارے لڑکے کی سزا سو دُرے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے ۔"

ابن حجر

اس حدیث میں زنا کی جو سزا تجویز کی گئی ہے اس کا ایک حصہ سو دُرے تو ٹھیک "کتاب اللہ" ہی سے ماخوذ ہے لیکن جلاوطنی پر "کتاب اللہ" کا اطلاق صحیح نہیں ہو سکتا تھا ۔ لہٰذا اس مشکل کو حل کرنے کے لئے بخاری کے سب سے بڑے شارح علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں

" کتاب اللہ " کا لفظ ہو یا " بالحق " کا لفظ جیسا کہ عمرو بن شعیب کی روایت میں موجود ہے ، دونوں روایات سے مذکورہ بالا احتمالات کی تائید ہوتی ہے ۔ (فتح الباری ۱۲/۱۲۳/۲۷ تا ۲۸)

وہ احتمالات کیا تھے ؟ ان کی تفصیل علامہ ابن حجر ہی کی زبانی اس طرح ہے کہ

والمراد بکتاب اللہ ما حکم بہ وکتب علی عبادہ وقیل المراد "القرآن" وھو المتبادر وقال ابن دقیق العید الاول الاولیٰ لان الرجم والتغریب لیسا مذکورین فی القرآن الا بواسطۃ امر اللہ باتباع رسولہ ۔

یعنے اس واقعہ میں کتاب اللہ سے مراد یہ ہے کہ "خدا نے جو بھی حکم ارشاد فرما کر اپنی مخلوق پر پابندی عاید کر دی ہے ، وہ کتاب اللہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے ۔"

نیز ـــــ

کہا جاتا ہے کہ اس سے " قرآن پاک " بھی مراد ہے جیسا کہ ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے ۔
لیکن امام ابن دقیق العید کی دقیقہ رسی ملاحظہ ہو کہ آپ کے نزدیک پہلا مفہوم ہی درست ہے

کیونکہ رجم"۔۔۔۔ اور ایک سال" جلا وطنی کی سزا کے الفاظ" قرآن پاک" میں بھی نہیں اور جب قرآن میں نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ کتاب اللہ سے مراد ماسوا" قرآن" کے اور کوئی کتاب ہو ہی نہیں سکتی (فتح الباری ۱۲/ ۱۲۲)

ایک اور گواہ

ابن حجر نے ابن دقیق العید کی رائے کی توثیق فرمادی کہ رجم کے ضمن میں" کتاب اللہ" سے مراد" قرآن" کے علاوہ کوئی اور کتاب بھی ہوسکتی ہے۔ اب اس سلسلہ میں ایک اور ثقہ گواہ کی رائے ملاحظہ ہو جو منسوخ القرآن کے سب سے بڑے داعی اور نقیب شمار ہوتے ہیں یعنی امام ابوجعفر النحاس (متوفی ۳۳۸ھ / ۹۴۹ء) نے بھی کتاب اللہ سے ۔۔۔۔ ماسوائے قرآن ہی مراد لی ہے، لکھتے ہیں کہ

لیس حکمہ حکم القرآن الذی نقلہ الجماعۃ عن الجماعۃ ولکنہ سنۃ ثابتۃ وقد یقول الانسان کنت اقرأکذا لغیر القرآن والدلیل علیٰ ھذا انہ قال ولولا انی اکرہ ان یقال زاد عمر فی القرآن لزدتہ۔

یعنے آیۂ رجم الشیخ والشیخۃ کی حیثیت قرآن کے منصوص حکم کی طرح نہیں ہے۔ جسے انسانوں کی بھاری جمعیت نے دست بدست ایک دوسرے سے لیا اور ہمارے تک پہنچایا۔

اس کی پوزیشن صرف اتنی ہے کہ ایک ثابت شدہ سنّت ہے اور بس۔

۔ رہا فاروق اعظم کا یہ فرمانا کہ (قرأناھا) ہم اس کی تلاوت کرتے رہے تو ادبیات عرب سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ قرأنا کا اطلاق ماسوائے قرآن پر بھی شائع وذائع تھا۔۔۔۔ بلکہ فاروق اعظم کے اپنے ہی الفاظ اس پر گواہ ہیں کہ آپ کا مقصود بھی اپنے ان الفاظ سے حقیقی قرآن نہیں تھا ۔۔۔۔ ورنہ تو آپ ہچکچا کر بات نہ چلاتے اور یہ نہ کہتے کہ ۔۔۔۔ لوگ اگر یہ نہ کہنا شروع کر دیتے کہ عمرؓ نے اپنی جانب سے قرآن میں اضافہ کیا ہے تو میں ضرور ہی آیۂ رجم کا قرآن میں اضافہ کر دیتا۔ (کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم طبع اول ۱۳۲۳ھ الخانجی مصر صفحہ ۸)

منسوخ التلاوۃ اور اسلاف

تیسری فصل میں نسخ فی القرآن کے ضمن میں معتزلہ کے دلائل ملاحظہ کئے جا چکے۔ ذیل میں قند مکرر کے طور پر مزید حوالہ جات حاضر ہیں۔ امام صدر الشریعۃ (متوفی ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ

لان النص بحکمہ والحکم بالنص فلا انفکاک بینھما

نص اپنے حکم کے ساتھ ہی نص ہے۔ یہ نہیں کہ حکم کا اعتراف تو کر لیا جائے، لیکن نص کا وجود غیر ضروری سمجھا جائے۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ حکم بغیر نص کے حکم رہ سکتا ہے بلکہ یہ دونوں مل کر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم، ناقابل تجزیہ اور ناقابل تفریق حیثیت رکھتے ہیں۔

(التوضیح طبع مصر جلد ۲/ ۲۶)

اسی طرح امام ابو اسحاق شیرازی (متوفی ۴۷۶ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ وقالت طائفۃ لایجوز نسخ التلاوۃ مع بقاء الحکم لان الحکم تابع التلاوۃ فلایجوز ان یرتفع الاصل ویبقی التابع

یعنی — سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ

یہ جائز ہی نہیں ہے کہ ایک آیت تلاوت کے لحاظ سے تو منسوخ ہو مگر حکم کے اعتبار سے محکم ہو کیونکہ حکم تلاوت کے لئے تابع کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اصل (متبوع، تو رفع (اور منسوخ ہو جائے، لیکن فرع (تابع) باقی رہ جائے؟ (اللمع فی اصول الفقہ طبع اول ۱۳۴۷ھ مصر ۳۹)

الغرض —

صدر الشریعۃ اور علامہ شیرازی کی تصریحات سے بھی اس عقیدے کی قطعی نفی ہو جاتی ہے کہ منسوخ کی دوسری قسم یعنی منسوخ التلاوۃ کا وجود ممکن ہو سکتا ہے۔

اب تیسری ایک ایسی قسم کا تعارف کرایا جا رہا ہے، جس کے بارے میں دعوی کیا جاتا ہے کہ اس نے پورے قرآن ہی کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے:

منسوخ باعتبار حکم کے

کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن کے الفاظ اگرچہ محفوظ ہیں لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے وغیرہ

ہمارے نزدیک یہ بات علمی تقاضوں اور معیار پر پوری نہیں اترتی اور ہم نے علمائے کرام کی بتلائی ہوئی ۶۶۹ کے لگ بھگ منسوخ الحکم آیات پر سیر حاصل تبصرہ کر کے خود ان کے اپنے ہی اختلافی اقوال کی روشنی میں ثابت کر دکھلایا ہے کہ جس جس آیت اور حکم کو نسخ کا نشانہ بنایا گیا ہے اس کی علمی حیثیت کیا ہے؟ اجمالی طور پر یوں سمجھئے کہ

سلف احناف اور حنابلہ کی ایک جماعت نے منسوخ الحکم آیتوں کے وجود کا بالکل ہی انکار کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اذا انتفی الحکم فلافائدۃ فی التلاوۃ جب حکم کی نفی ہو گئی تو تلاوت کے باقی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (بحوالہ۔ ارشاد الفحول طبع مصر ۱۳۲۷ھ صـ ۱۸۹)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کے بہت سے اکابر منسوخ التلاوۃ کو عقیدے کے فساد سے تعبیر کرتے تھے۔ اب بجائے اس کے کہ ان کے اس نظریے کا علمی جائزہ لیا جاتا۔ امام شوکانی برہم اور خفا ہو کر ان برسنے لگ جاتے ہیں، کہ وھذا قصور عن معرفۃ الشریعۃ وجھل بالکتاب العزیز۔

اس خیال کے حاملین (احناف اور حنابلہ دونوں ہی) شریعت کے اسرار، دین کی معرفت اور کتاب اللہ کے معاملہ میں جاہل مطلق اور غبی واقع ہوئے تھے۔ (ایضاً صـ ۱۸۹)

جائزہ | وہ جاہل اور غبی تھے یا ان کے پاکیزہ وجدان نے یہی رہنمائی کی تھی کہ ایسی آیات کو بہ تکلف ہی گوسالہ

نسخ کی بھینٹ چڑھایا گیا اور اسی طرح حقائق اور اُصولوں کو یکسر نظر انداز کر کے تقلید اور فرقہ بندی کے سفلی جذبات کی رو سے محکم آیات کو منسوخ کیا گیا ہے ؟ ان کی عقل نے بجا طور پر رہنمائی کی تھی کہ محکم کے منسوخ ہونے کے بعد الفاظ کے باقی رہنے میں نہ تو کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی عقلاً اس کا امکان ہے ۔

امام شوکانی کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے مخالفین کو خاموش کر دینے کے لئے کوئی معقول جواب تجویز فرماتے، لیکن آپ نے اس باب میں کسی شریفانہ لب و لہجہ کا سہارا لینے کے بجائے علمی سطح سے گرے ہوئے ایسے الفاظ کو اپنایا، جو ان کے علمی منصب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے ـــــ ابو مسلم اصفہانی کو اگر وہ جاہل اور غبی کے القاب سے نواز چکے تھے تو وہ قابلِ فہم تھے کہ اصفہانی مرحوم معتزلی مکتبِ فکر کے راہوار تھے ۔ لیکن احناف اور حنابلہ کو جاہلوں اور غبیوں کی صف میں کھڑا کر کے اپنے تیر و نشتر کا نشانہ بنانا عجیب سا لگتا ہے ۔ کیا شریعت کے اسرار در موز پر تنہا شوکانی اور اسی قبیل کے دیگر افراد ہی کا اجارہ ہے کہ بے تکلف سب کو "جہالت" کا سرٹیفکیٹ عطا کرتے چلے جائیں اور کوئی نہیں جو باز پرس کی جرأت کر سکتا ہو ۔

کاش ! کہ علماء کسی طرح شرافت سے بات کرنا بھی سیکھ لیتے ۔

یہاں تک منسوخ کی ہر سہ اقسام کی تفصیل بیان ہو چکی تاہم تیسری قسم پر تفصیلی گفتگو دوسرے باب میں ہو گی انشاء اللہ تعا!

فصل پنجم

قرآن حکیم — اور — نسخ بالسُّنّۃ

کہتے ہیں کہ

قرآن پاک اگر سنت کے لئے ناسخ تسلیم کرلیا جائے تو کیا "سنت" بھی اس کے لئے ناسخ ہوسکتی ہے ؟

علمائے امت کی اکثریت کا فیصلہ یہ ہے کہ

ایسا نہ صرف ممکن بلکہ واقع بھی ہے

اور امت کے اس واضح فیصلہ کے برعکس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ

جب خود قرآن پاک ہی کی ایک آیت کسی دوسری آیت کے لئے ناسخ نہیں بن سکتی تو سنت نبوی کو ایسا مقام عطا کرنا یا اس کی ناسخ حیثیت کا برملا اس نوعیت کا اعتراف کرنا نہ صرف یہ کہ وحی الہٰی کو اپنے مقام اور درجے سے فروتر کرکے دکھلانا ہے ایک نئی اور متوازی شریعت کو جنم دے کر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا بھی ہے

اور یہ عقیدہ رکھنا ہی اگر جرم ہے تو اس جرم میں تنہا ہم ہی نہیں کچھ اور بادہ خوار بھی ہمارے شریک ہیں۔

بلکہ دوسرے باب میں منسوخ آیات کے تجزیے کے ضمن میں ہم واضح کرتے چلے جائیں گے کہ فرداً فرداً ہر وہ شخص بھی اس جرم میں ملوث اور ہمارا شریک سفر نظر آئے گا جو دوسرے مواقع پر نسخ بالسنّۃ کا سب سے بڑا حامل اور علمبردار سمجھا جاتا تھا۔

ابو اسحاق شیرازی کے دل میں بھی یہ سوال اٹھا تھا اور آپ نے بھی اس کا جواب نفی ہی میں دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

ہمارے نزدیک از روئے "سماع" یہ جائز ہی نہیں ہے کہ سنت نبوی کے ذریعہ وحی قرآنی کو منسوخ کیا جائے۔ ہمارے شافعی اکابر نے "سماع" اور "عقل" دونوں کے لحاظ سے اس خیال کا شدت سے انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

سماعی طور پر اس لئے جائز نہیں کہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها بھی اس نظریئے کے تسلیم کرنے سے مانع ہے کہ سنت کسی حال میں بھی نہ تو مثل قرآن ہے اور نہ ہی قرآن سے بہتر۔ حالانکہ ناسخ کے لئے ہم پلہ یا بہتر ہونا ضروری ہے

والسنة لیست مثل القرآن ولاخبر امته الاتری انه لایثاب علی تلاوة السنة کما یثاب علی تلاوة القرآن ——

—— ولا اعجاز فی لفظ السنة کالاعجاز الذی فی لفظ القرآن فدل ذالک علی ان السنة لیست مثل القرآن فی اعجازه ولا فی المثوبة علی تلاوته

یعنے —— سنت نہ تو قرآن کی مانند ہے اور نہ ہی اس سے بہتر۔ دونوں کا امتیازی فرق ظاہر ہے۔ سنت کی تلاوت پر نہ تو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا کہ مصحف مجید کی تلاوت پر ملنا چاہئے اور نہ ہی اس کے الفاظ

یں وہ اعجاز ہے جو قرآن پاک کے الفاظ میں پایا جاتا ہے۔
پس جب کسی بھی وصف میں سنت نبوی "القرآن العظیم" کی ہمسری نہیں کر سکتی نہ لفظی اعجاز
میں اور نہ تلاوت پر ثواب میں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اسے قرآن کے لئے ناسخ تسلیم کر لیا جائے۔ یہ
تو ناممکن اور محال ہے۔ (اللمع فی اصول الفقہ طبع مصر ص۱۳۸ و ص۱۳۹)

فصول البدائع کے مصنف علامہ حمزہ فناری نے بھی نسخ القرآن بالسنۃ کے باطل عقیدے کی نفی کی ہے فرماتے ہیں، کہ
ان السنۃ لاتصلح ناسخۃ لنظم الکتاب لتقوم مقامہ فی الاعجاز وصحۃ الصلوٰۃ وغیرھما
یعنے ___ سنت نظم کتاب کی ناسخ نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں ناسخ بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے نہ اعجاز میں
قرآن کے مانند ہے اور نہ ہی صلاۃ میں تلاوت کئے جانے کی حیثیت سے صحت نماز کی ضامن۔
(فصول البدائع طبع مصر ۲/ ۱۲۵)

امام شافعیؒ دفاع قرآن میں

نواب صدیق حسن خان مرحوم (متوفی ۱۸۸۹ء) امام شافعی (۸۲۰ء)
کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ
قال الشافعی لاینسخ الکتاب بالسنۃ المتواترۃ واستدل بھذہ الایۃ
امام شافعی اس نظریہ کے حامل اور آیہ مانسخ ___ سے استدلال کرتے تھے کہ سنت خواہ متواترہ
(اور مشہور) ہی کیوں نہ ہو قرآن پاک کو نسخ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔
(فتح البیان فی مقاصد القرآن طبع بھوپال ۱۲۹۱ھ جلد ۱/ ۱۶۱/ ۱)

امام شافعی نے دفاع قرآن کے سلسلہ میں جس طرح اپنے ایمان اور عقیدے کا اظہار فرمایا ہے ان جیسی قدآور شخصیت سے یہی
امید تھی۔ لیکن نواب صدیق حسن مرحوم ان پر خفا ہیں وہ لکھتے ہیں کہ ولیس بصحیح والحق جواز نسخ الکتاب
بالسنۃ۔ امام شافعی کا عقیدہ غلط ہے۔ صحیح اور سچ بات یہ ہے کہ سنت کے ذریعہ وحی الٰہی کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔
(فتح البیان ص مذکورہ سطر ۱۲ ویں)

نواب صاحب نے ایک ہی جگہ سے جس طرح مسلک شافعی کا مسئلہ ___ کیا ہے اس کا جواب اپنے مقام پر عرض کر دونگا
ذیل میں اسی مکتب فکر کے ایک اور شہسوار کا تاثر ملاحظہ ہو جو لب ولہجہ کے اعتبار سے بلکہ طرز استدلال کے لحاظ سے نہ صرف
غیر ثقہ اور غیر علمی ہے متانت اور سنجیدگی کے جوہر سے بھی عاری ہے۔ فرماتے ہیں کہ:
جمعیت العلماء نے شافعی مسلک کا شدت سے انکار کیا ہے۔ مشہور اصولی امام "کیا الھراسی" ۵۰۴ھ نے
نہایت ہی سخت لہجہ میں کہا ہے کہ ھفوات الکبار علی اقدارھم ___ شافعی جس قدر بڑے اور
قدآور ہیں ان کی یاوہ گوئی بھی اتنی ہی بڑی اور قدآور ہے۔ (ارشاد الفحول طبع مصر ۱۹۳۶ء ص ۱۹۱)
امام شافعی کو حق گوئی کی سزا اس لئے دی جارہی ہے کہ علماء حضرات جس آیت کے ذریعہ ابطال قرآن کا راستہ ہموار کر رہے تھے
امام موصوف نے اسی ہی آیت سے استدلال کر کے خود ان پر ہی حجت گردان کر سنت کو "القرآن الکریم" کی مانند

یا بھنر ماننے اور ناسخانہ حیثیت سے اعتراف کرنے سے انکار کر دیا ہے ۔

امام شوکانی اور نواب صدیق حسن کی یہ خفگی اور برہمی کچھ بیجا معلوم نہیں ہوتی ۔ اس مدرسۂ فکر کے معدودے چند حضرات کے ماسوا اکثر اہل علم کے افکار میں نہ تو ثبات ہے اور نہ ہی ان کی سطح نگاہ کو صفائی اور کسی طرح کا جلا حاصل ہے ۔ وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں گالی دے کر ہی اپنے جذبات کو تسکین دے سکتے ہیں ۔ ان کی فکری سطحیت اور اور عاقبت نا اندیشی نے معاملات کی نزاکت کا کبھی بھی اعتراف نہیں کیا اور اپنے مخالفین کے خلاف ہمیشہ ایک ہی لب و لہجہ میں بات کرنے کی عادت بنا رکھی ہے ۔ اللہ یہدی السبیل ۔

امام احمد کا کلمۂ حق

امام حازمی (متوفی ۵۸۴ھ) نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حدثنا ابوداؤد السجستانی قال سمعت احمد بن حنبل وسئل عن حدیث السنۃ قاضیہ علی الکتاب ؛ قال لا اجتری ان اقول فیہ ولکن السنۃ تفسر القرآن ولا ینسخ القرآن الا القرآن ۔

امام احمد بن حنبل سے جب دریافت کیا گیا کہ نظریہ نسخ القرآن بالسنۃ کے بارے میں آپ کا موقف کیا ہے؟
تو آپ نے بے ساختہ کہا کہ معاذ اللہ ایسی جرأت مجھ میں کہاں کہ حدیث کو ناسخ قرآن تسلیم کر لوں ؟
میں تو قرآن پاک کی تفسیر کی حیثیت سے ہی سنت کو مانتا ہوں ناسخانہ حیثیت سے نہیں ۔
(اور بفرض نسخ کا اگر کچھ اعتبار ہے تو بشرط ثبوت کہا جا سکتا ہے کہ)
قرآن کو صرف قرآن ہی منسوخ کر سکتا ہے سنت نہیں کر سکتی ۔ (الاعتبار طبع منیر دمشقی ص۲۷)

ابوالفرج مالکی

قرطبی نے فقہ مالکی کے بڑے امام ابوالفرج مالکی سے نقل کیا ہے کہ
"وہ بھی شافعی کی طرح کلام پاک کو سنت کے ذریعے منسوخ کرنے کے منکر ہی تھے ۔"
(تفسیر جامع الاحکام طبع دار الکتب المصریہ جلد ۲ / ۱۹۵ / آخری سطر)

قاضی ابوالطیب

قاضی ابوالطیب (متوفی ۴۵۰ھ) نے "کفایہ" کی شرح میں علماء اسلام کا ایک ایسا واقعہ نقل کیا ہے جو سنت کے ذریعہ قرآن کے نسخ کو نہیں مانتے اور کہتے تھے کہ لان القران یقینی فلا ینسخہ مظنون کالحدیث ۔

کتاب اللہ یقینی اور قطعی ہے اسے حدیث کی طرح کوئی ظنی شئے منسوخ نہیں کر سکتی ۔ (ارشاد الفحول ص۱۶۶ تا ص۱۶۸)

قاضی ابوالطیب کے اقتباس سے معلوم ہوا کہ احمد بن حنبل اور شافعی کے علاوہ علماء اسلام کی ایک جماعت بھی عقیدۂ نسخ القرآن بالسنۃ کی نفی کرتی تھی ۔

متقدمین کی ایک جماعت

حازمی ایک مقام پر ذیل کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :
متقدمین کی ایک جماعت اور متاخرین میں سے بعض حضرات کی یہی رائے ہے کہ
سنت کسی حال میں بھی وحی قرآنی کی ناسخ نہیں بن سکتی ۔ (الاعتبار ص۲۷ / ۲ تا ۳)

آمدی اور اہلِ ظاہر کی اکثریت

دائرۃ المعارف میں لفظ "سنت" کی ذیل میں لکھا ہے کہ:
شافعی کا یہ عقیدہ ہے کہ سنت قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی اور آمدی نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ "نہ صرف شافعی، آپ کے متبعین اور اہلِ ظاہر کی اکثریت کی بھی (ماسوائے ابن حزم کے۔ ط) یہی رائے تھی کہ وحی الٰہی کو (عام سنت تو کوئی حیثیت نہیں رکھتی خود) سنت متواترہ بھی منسوخ نہیں کر سکتی اور یہی مذہب تھا امام احمد بن حنبل کا۔

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام عربی ایڈیشن طبع قاہرہ جلد ۱۲/ ۲۸۴)

بڑوں کی یاوہ گوئی (اور بکواس) بڑی ہوتی ہے یا یہ کہ بڑوں کی بات وقیع ہوتی ہے؟

امام شافعی اپنی زبانی

اس کا صحیح اندازہ امام شافعی کے اپنے ہی الفاظ میں کیا جا سکتا ہے۔

امام موصوف کی ذاتی تصانیف میں "الرسالۃ" کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو میسر نہیں ہے، اس کتاب میں آپ نے فقہ کے تمام وہ بنیادی اور اساسی قواعد اور اصول منضبط فرمائے ہیں جو نہ صرف آپ کے مسلک کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ بعد میں آنے والے دیگر آئمہ اسلام اور علماءِ فقہ کے لئے روشنی کے مینار کا کام بھی دے سکتے تھے۔ اسی کتاب میں آپ نے زیر بحث نظریئے کی وضاحت فرمائی ہے کہ

ان السنة لا ناسخة لكتاب وانما هي تبع للكتاب بمثل ما نزل نصا ومفسرة معنى ما انزل الله منه جملا قال الله واذا تتلى عليهم آياتنا بينات قال الذين لا يرجون لقائنا ائت بقرآن غير هذا او بدله قل ما يكون لي ان ابدله من تلقاء نفسي ان اتبع الا ما يوحى الي اني اخاف ان عصيت ربي عذاب يوم عظيم (يونس ۱۵) فاخبر الله انه فرض على نبيه اتباع ما يوحى اليه ولم يجعل له تبديله من تلقاء نفسه وفي قوله ما يكون لي ان ابدله من تلقاء نفسي بيان ما وصفت من انه لا ينسخ كتاب الله الا كتابه كما كان المبتدئ لفرضه فهو المزيل المثبت لما شاء جل ثناءه ولا يكون ذالك لاحد من خلقه۔

یعنی ـــــ اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ سنت کو وحی قرآن کا ناسخ بتلانا کسی اصول اور ضابطے کی رو سے درست نہیں ہو سکتا کیونکہ سنت خود بھی کتاب اللہ کی تابع ہے اور تابع ہونے کی حیثیت سے اس کا کام قرآنی فقروں کی تشریح اور نصوص الٰہی کے لئے تفسیر کا ماحول سازگار کرنا ہے اور بس۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ

ان لوگوں پر ہماری واضح آیات جب تلاوت کی جاتی ہیں تو ان میں سے لقائے ربانی سے مایوس افراد مطالبہ شروع کر دیتے ہیں کہ ـ اے محمدؐ کوئی اور قرآن لائیے یا پھر اسی میں ترمیم و تبدیل کر کے ہمارے ڈھب کے مطابق بنائیے (تاکہ سلسلہ آگے بڑھ سکے)

سو انہیں کہہ دیجئے کہ میری کیا مجال ہے کہ اپنی منشا کے مطابق اس میں رد و بدل کر سکوں۔ میری حیثیت تو صرف

آتی ہے کہ میں وحی الٰہی کا اتباع کروں اور بس اور میں اس معاملے میں ہر قسم کے عصیاں سے خائف ہوں اور خائف ہوں کہ خدانخواستہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہونے نہ پائے جس کی پاداش میں مجھے یوم عظیم کا عذاب مس کر جائے (یونس ۱۵) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور منصب کا تعین کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ آپ کا منصبی فریضہ اور کام یہ ہے کہ آپ وحی کی اتباع کریں اور بس

یہ اختیار نہیں دیا کہ جب چاہیں اپنے جی سے اس میں رد و بدل بھی کر ڈالیں

یہ آیت دراصل میرے نظریئے اور مسلک کی دلیل بھی ہے اور ماخذ بھی اور اسی ہی کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ کتاب اللہ کا صرف کتاب اللہ ہی نسخ کر سکتی تھی (اور کوئی چیز نہیں) اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے اللہ سبحانہ نے کسی چیز کی "فرضیت" کا حکم دے دیا ہو اور بعد میں خود اپنے ہی لئے یہ اختیار بھی باقی رکھا ہو کہ اس کی فرضیت کو زائل کر دے یا باقی رکھے ؟ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ سابق اور نئے حکم کو نافذ کرنے والی "اتھارٹی" ایک ہی ہے اور مخلوق میں سے کسی کو بھی ایسا اختیار حاصل نہیں ہے۔ (الرسالہ طبع اول حلبی ۱۹۴۰ء تحقیق احمد شاکر ص۱۰۶ و ص۱۰۷)

نیز فرماتے ہیں کہ ـــــــ

وفی کتاب اللہ دلالۃ علیہ قال اللہ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر (بقرۃ - ۱۰۶) فاخبر اللہ ان نسخ القرآن وتاخیر انزالہ لا یکون الا بقرآن مثلہ۔

یعنی میرے "نسخ القرآن بالسنۃ" کے انکار کی بنیاد اس دلیل پر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ہم اپنے احکام میں سے جو کچھ بدل دیتے یا فراموش کرا دیتے ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرانی ہو کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی بھی معاملہ خارج نہیں ہے ؟ (بقرہ - ۱۰۶)

اس آیت میں اللہ سبحانہ نے واضح فرما دیا کہ

(۱) قرآن کا نسخ ہو

(۲) یا نازل فرمانے میں تاخیر کا معاملہ

یہ دونوں ہی کام خود قرآن پاک جیسی شئے کے بغیر ناممکن ہیں (اور حدیث قرآن جیسی شئے ہو ہی نہیں سکتی، لہٰذا نسخ القرآن بالسنۃ کا عقیدہ ایک علمی فراڈ تو ہو سکتا ہے حقیقت نہیں بن سکتا۔ ط) (الرسالہ ص۱۰۸ سطر ۱ تا ۴)

عقیدۂ شافعی تحریف کی نذر

امام شافعی اہل زبان اور دوسرے مرحلہ پر عاقل و بالغ تھے۔ انہیں اصلاح زبان کا درس اور ابلاغ مقصد کے لئے لقمہ نہیں دیا جا سکتا۔ وہ نہایت قادر الکلامی اور مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے کے مجاز تھے۔ دوسرا کوئی بھی آپ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کا حق نہیں رکھ سکتا اس باب میں آپ نے جو کچھ فرمایا وہ غیر مبہم اور قابل فہم ہے سبکی (متوفی ۷۵۶ھ) وغیرہ نے امام موصوف کے عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے تاویل کا جو جامہ تراشا ہے وہ ان کی بلند و بالا قامت پر فٹ نہیں آ سکتا۔ یعنے وہ سمجھتے ہیں کہ :

امام شافعی کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حدیث بالکل ہی ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور نسخ القرآن کے باب میں غیر مؤثر اور غیر فعال ہے وغیرہ وغیرہ

ہم سبکی وغیرہ کی ایسی تشریح کو امام شافعی کی تحریر کی روشنی میں خالص تحریف تو کہہ سکتے ہیں تشریح اور اصلاح سے تعبیر نہیں کر سکتے ـــ حجیت حدیث ایک جداگانہ مسئلہ ہے۔ وحی قرآنی کو منسوخ کرنے یا نہ کرنے سے اس کی شرعی حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اگر ناسخین قرآن اسی ہی نفسیات کا شکار ہیں اور ان کے عقائد ایسے ہی شعور کی پیداوار ہیں تو یہ صورت حال جہاں افسوسناک ہے وہاں قرآن پاک کی عظمت اور احترام کے منافی بھی ہے۔

اصول فقہ کے بڑے امام، امیر بادشاہ اور ابن الہمام اسکندری (متوفی ۸۶۱ھ) نے عقیدۂ شافی کو تحریف کی نذر کرنے والوں کا حرف واحد میں جو تجزیہ کیا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان الشافعی منعہ قولا واحدا وما صح من تاویل السبکی لعبارتہ باطل

امام شافعی نے دو ٹوک الفاظ میں نسخ القرآن بالسنۃ کو باطل کہہ کر قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے۔ اس باب میں سبکی وغیرہ کی تاویل سراسر باطل اور لغو محض ہے۔ (تیسیر التحریر طبع مصطفیٰ حلبی مصر ۲/۲۰۳)

صدر الشریعۃ کی گواہی

فقہ حنفی کے اقنوم اعظم امام صدر الشریعۃ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کو سنت سے منسوخ کرنا ہو یا سنت کو کتاب اللہ کے ذریعے منسوخ ٹھہرانا

یہ دونوں باتیں امام شافعی کے نزدیک قول فاسد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

کیونکہ اگر کتاب اللہ کو سنت کے ذریعہ منسوخ کیا جائے تو غیر مسلم طنز کریں گے کہ پیغمبر علیہ السلام نے جس کلام کو وحی الٰہی کے نام سے پیش کیا تھا اس کی خود ہی مخالفت کر دی ہے اور

اگر سنت کو کتاب اللہ سے منسوخ کیا جائے تو پھر یہ اعتراض وارد ہو گا کہ اللہ نے جس کو نبی بنا کر بھیجا تھا، خود ہی اس کی تکذیب کر دی لہٰذا اس کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آنا ہمارے لئے ضروری نہیں رہا۔

اس کے بعد صدر الشریعۃ نے لکھا ہے کہ

اسی بنا پر ہی شافعی نے کہا ہے کہ کتاب و سنت کو ایک دوسرے سے منسوخ کر دینے سے بہتر ہے کہ ان میں تعاون اور تطبیق پیدا کر لی جائے۔ (التوضیح طبع مصر ص۳۴۲ نیز اللمع ص۱۳۹ طبع مصر)

ان تصریحات کے بعد امام شافعی کے خود ساختہ نمائندوں کی ہمارے نزدیک کوئی وقعت نہیں رہتی البتہ صدر الشریعۃ نے امام موصوف کا تأثر جن الفاظ میں بیان کیا ہے وہ اگرچہ بلفظہٖ شافعی کا تأثر نہیں کہلا سکتا تاہم اگر سنت سے مراد روایت اور حدیث نہیں پیروی کتاب ہے اور اغلب ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کے قول اور پیغمبر کے اسوے میں تضاد اور تناقض کا بہت کم امکان پایا جا سکتا ہے لیکن امام شافعی مرحوم نے اگر یہی تأثر دیا ہے کہ

"آپ کے نزدیک کتاب اللہ سے حدیث کا نسخ بھی باطل ہے" تو یہ سمجھ کا پھیر ہے اور فکر شافعی کی اسی طرح غلط ترجمانی ہے۔ جس طرح ایک خاص معاملہ میں سبکی وغیرہ ترجمانی کر چکے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا ہی تأثر دینا تھا تو اپنے ہی الفاظ میں

اور اپنی ہی ذاتی تصنیف میں دینے پر قادر تھے۔ آپ دوسروں کی تشریح کی احتیاج کے بغیر ہی اپنا مافی الضمیر احسن طریق پر بیان کر سکتے تھے۔ دوسروں کی ترجمانی احسن طریق کو استعمال کرنے کی اہل ہی نہیں ہو سکتی تھی لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ آپ اپنے ہی الفاظ میں نہ تو حدیث کو قرآن کے مثیل سمجھتے تھے — نہ ہم پلہ اور نہ ہی اس سے بہتر — اور یہی وہ تین عناصر ہیں، جو عقیدۂ نسخ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس ان عناصر میں سے کسی بھی عنصر میں حدیث کی وحی الٰہی کے ساتھ مشابہت نہیں پائی جاتی تو کس بنا پر اسے وحی الٰہی کی صفوں میں گھس آنے کا موقع دیا جا رہا ہے؟

ایک اور تحریف

اعتدال اور حقیقت پسندی کے بھیس میں بعض لوگوں نے امام شافعی کے مسلک نسخ القرآن بالسنۃ کے انکار کے لئے یہ تاویل بھی اختراع کر ڈالی ہے کہ ان السنۃ لاتنسخ الکتاب الا ومعھا کتاب یوید ھا۔

شافعی کا مقصد یہ تھا کہ سنت اس وقت ہی کتاب اللہ کی ناسخ بن سکتی ہے جب اس کی تائید کتاب اللہ کی کسی دوسری آیت سے ہو سکتی ہو۔

مقصد یہ ہے کہ حدیث کے ذریعہ وحی قرآن کے نسخ کے زیادہ سے زیادہ امکانات ہو سکتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ حدیث کسی بھی آیت قرآنی سے مل کر دوسری قرآنی آیت پر حملہ آور ہو سکتی ہے۔ وغیرہ

لیکن — ایسا کہتے وقت یہ لوگ غالباً بھول جاتے ہیں کہ اس تاویل کی رُو سے یہ بھی تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حدیث یا سنت مستقل طور پر ناسخ بننے کی صلاحیت سے عاری ہیں، الّا اس صورت میں کہ ان کی پشت پناہی قرآن کی کسی دوسری آیت سے ہو سکتی ہو جو کہ ناممکن ہے۔ وغیرہ۔

کیا اس میں یہ اعتراف پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی اونچے سہارے کے بغیر حدیث کا یہ منصب ہی نہیں ہے کہ آیت قرآن کو اپنے مقام سے ہٹا سکے۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا ؂

معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی کے نادان دوستوں نے اپنے طور پر خلوص نیت ہی کے ساتھ امام موصوف کا دامن صاف کرنے کی کوشش کی تھی اور ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح امام موصوف کی ساکھ بحال ہو جائے گی اور وہ فقہاء کی نظروں میں اپنا مقام باقی رکھ سکیں گے وغیرہ لیکن افسوس کہ تلافی کا یہ انداز ہی غلط سوچا گیا تھا۔ امام شافعی کو اپنی زندگی میں ان تاویلوں کا پتہ چل جاتا تو ہمارا یقین ہے کہ آپ اس کی مخالفت کرتے اور اس پر نفرین بھیجتے۔ مفتی عبدہٗ مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ وکانھم ارادوا تصحیح قول من قال بالنسخ تعظیما لہ ان یرد قولہ وتعظیم اللہ اولیٰ۔

کچھ لوگوں نے اس غرض سے امام شافعی کے نظریئے کی تاویل کی ہے کہ علماء حضرات آپ کے قول کو مردود — مردود کہتے نہ پھریں۔

یعنی کہ وہ اپنی جانب سے آپ کی اس رائے کی تصحیح اور اصلاح کر کے اپنے زعم میں آپ کے اونچے مقام کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی خود ساختہ عظمت، مصنوعی تعظیم اور نمائشی نگہداشت مقام سے بہتر ہے کہ وہ اللہ کی عظمت کا خیال رکھیں اسے ہی تعظیم کا زیادہ مستحق سمجھیں اور اسی ہی کے کلام کو اونچا تسلیم کریں کہ شافعی کی مفروضہ تعظیم کی بہ نسبت آیات الٰہی کی تعظیم کا خیال زیادہ اولیٰ

زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے ان کو احادیث کے ذریعہ منسوخ یا مسترد کر دینے سے پرہیز کرنا بہتر ہے

(تفسیر المنار طبع مصر ۲/۱۴۲)

مفتی مرحوم نے چند الفاظ میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے جس سے قرآن کی عظمت دوچند اور وحی کا احترام دوبالا ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ :

اسلامی احکام کے دوسرے ماخذ یعنی سنت نبوی کے لئے ناسخ کا مقام تجویز کرنا یا اس کی حیثیت کو وحی الٰہی کی حیثیت کے ہم پلہ دکھلانا حقائق اور واقعات کی رُو سے ناممکن اور غلط ہے۔

نسخ کی روایات اور شافعی نقطہ نظر

اس عنوان میں سابقہ عنوان یعنی "قرآن حکیم اور نسخ بالسنۃ" کی ایک خاص نوع کا بیان ہے اور روایات سے مراد اقوال صحابہ ہیں۔ اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ـــــ اگر کوئی صحابی یہ کہے کہ کان الحکم کذا ثم نسخ

یہ حکم پہلے یوں تھا پھر منسوخ ہو گیا

تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہو گی ؟

یہ ایک نہایت ہی ضروری سوال تھا جو ہر ذہین انسان کی سطح ذہن پر ابھر کر جواب کا طالب بن جاتا تھا۔

سو جہاں تک تسلیم شدہ سنی مذاہب کا تعلق ہے تو امام شافعی کے نزدیک ایسی روایات کا کوئی اعتبار نہیں ہے ، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح صحابی نے اپنے ہی اجتہاد کی نشاندہی کی ہو ـــــ اور شافعیوں کی اس رائے کو اگر انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو مزعومہ ناسخ و منسوخ کے وسیع و عریض دائرے کو نقطہ کی حد تک تنگ کر دیتی ہے اور اس میں شافعی اپنے فقہی حریف حنفی مذہب کے بالکل ہی برعکس ہو جاتے ہیں۔ کہ مؤخر الذکر حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ

صحابی کا محض اور صرف اتنا کہہ دینا کہ یہ حکم پہلے ایسا تھا اور بعد کو منسوخ ہو گیا ـــ سابقہ حکم کو حقیقت میں بھی منسوخ کر سکتا ہے

تاہم احناف کا ہوشمند اور اہل فکر طبقہ اس رائے کے باطل ہونے کا عقیدہ بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ حنفی مذہب کے بڑے اصولی امام ابوالحسن کرخی اپنے ہم مسلکوں کے غلط فیصلہ کا نوٹس لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان ذکر الصحابی الناسخ لم یقلد بل ینظر فیہ لاحتمال ان یکون قالہ عن اجتہادہ

نسخ کے باب میں صحابی کا ذکر کردہ قول شرعاً لائق تقلید نہیں ہو سکتا بلکہ یہ جانچنا واجب ہو گا کہ اس میں اس کے اپنے ذاتی اجتہاد کا کتنا دخل ہے ؟

(خلاصہ از اللمع ص۱۴۳ و اصول الفقہ مصنفہ ذکی شعبان طبع قاہرہ ص۳۱۹ نیز منسوخ ص۶۹ کا عنوان "شان نزول کی حقیقت")

جائزہ

ابوالحسن کرخی (ت ۹۵۲ء) اور شوافع کے نقطہ نظر سے مجوزہ نسخ کی پوری عمارت ہی منہدم ہو جاتی ہے اور اس کے آثار بالکل ہی محو ہو جاتے ہیں کیونکہ ناسخ و منسوخ کے طلسمی ہیکل کا دارومدار ہی صحابہ کے اقوال یا تابعین کی غیر مستند آراء پر ہے۔ تفاصیل دوسرے باب میں ملاحظہ ہوں۔

فصل ششم

کیا "القرآن" کو اجماع منسوخ کر سکتا ہے؟

امام ابو محمد علی بن حزم ظاہری ہماری تحقیق کے مطابق معتزلہ کے بعد دوسرے بھاری بھرکم عالم دین ہیں جنہوں نے اجماع کی حجیت سے قطعی طور پر انکار کیا اور المحلی کی "کتاب الاشربہ" میں اسے متوازی شریعت سے موسوم کیا ہے لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وحی الہٰی کو منسوخ کرنا چونکہ آپ کا بنیادی عقیدہ تھا۔ لہٰذا جزن سے حربے سے بھی اسکے نسخ کی صورت نکل سکتی تھی آپ نے اسے اپنانے میں تامل سے کام نہیں لیا حتےٰ کہ اجماع امت جسے آپ متوازی شریعت سے موسوم کیا کرتے تھے نسخ قرآن کے بارے میں اسے بھی حجت ہی گردانا۔ فرماتے ہیں کہ :

اجماع کے ذریعہ نسخ کا معاملہ دراصل "توقیف" نبویؐ کی طرف ہی راجع ہوتا ہے۔

یعنے — ۱۔ یا تو اجماع ہو چکا ہو گا کہ ایک نص قرآنی منسوخ ہے دوسری نص قرآنی سے۔

۲۔ یا برہان قائم جو مختلف آیات سے مستنبط کیا گیا اس کی توثیق کرے۔

۳۔ یا حدیث کی نص موجود ہو۔

۴۔ یا برہان قائم جو حدیث صریح سے ماخوذ ہو۔

۵۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اس پر گواہ ہو۔

۶۔ یا آپؐ کے روبرو کسی آیت کو منسوخ کر دیا گیا اور آپؐ نے اسے برقرار رکھا۔

ان میں سے جس نوعیت کا اجماع بھی ہو اس کے ذریعہ کتاب اللہ کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

(بحوالہ الاحکام فی اصول الاحکام طبع مصر ۴/۱۲۰/۹ تا ۱۳۱)

تجزیہ نمبر دو اور چار کا سادہ مفہوم یہی ہے کہ محدثین کرام جو کہ مزاج شناس رسولؐ ہونے اور اسلام کے حدیثی مأخذ میں بصیرت اور کامل دسترس کے مدعی ہیں ان کا خیال ہے کہ احادیث کی کثرت مزاولت سے انسان میں ایک ایسی قوت فیصلہ اور بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ :

فلاں مسئلہ یا مفہوم حدیث نبوی اور کتاب اللہ کے مزاج کے خلاف ہے۔

اور اس کا ایسا فیصلہ اپنے اثر اور زور کے اعتبار سے حقیقت میں بھی کتاب اللہ کو منسوخ کر سکتا ہے اگرچہ اس بارے میں مزاج شناسئ رسولؐ کے علاوہ کوئی دوسری واضح اور ٹھوس عبارت موجود ہی نہ ہو۔

امام ابن حزم کا یہ اسلوب فکر غیر علمی اور غیر معقول ہے۔ قرآن پاک اللہ سبحانہ کی ایک صفت ہے اور اس کے بارے میں واضح ارشاد ہے کہ لَا یُشْرِکُ فِی حُکْمِہٖ اَحَدًا۔

یعنے ـــــ اس نے اپنے حکم (وحی قرآن) میں کسی کو شریک نہیں گردانا اور نہ ہی اپنے حکم (صفت) میں کسی کا شرک برداشت کر سکتا ہے۔ (کہف ۲۶)

قرآن پاک کی آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ کے حکم (صفت) کو انسانی ترمیم و درستی کے ذریعہ نہ تو منسوخ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی "مزاج شناس اسلام" کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کثرت مزاولت کا بہانہ بنا کر وحی الٰہی میں کسی طرح کی مداخلت کا مجاز بن بیٹھے؟

آگے چل کر امام موصوف نے ـــــ

۱؎ و ۲؎ میں عنوان کی تکرار سے پھر یہی مفہوم واضح کیا ہے کہ وحی قرآنی کو منسوخ کرنے کے لئے دوسرے ایسے ہی وحی کی ضرورت ہے، جیسے اجماعِ امت کی پشت پناہی اور تائید حاصل ہو وغیرہ

ہمارے فہمِ ناقص میں امام موصوف یہاں بھی فکرِ خام ہی کا شکار بن کر وحی الٰہی کے مقام اور منصب کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں. کیونکہ ان نمبروں میں جس نوعیت کا نسخ آپ فرض کر رہے ہیں وُہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوا ہے نہ عقلاً نہ نقلاً نہ لفظی اعتبار ہے، نہ لفظی اور معنوی اعتبار ہے اور نہ ہی حکم کے اعتبار سے. ـــــ اور یہ جو ـــــ

۳؎، ۴؎ و ۵؎ سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث نبویؐ کے ذریعہ کتاب اللہ کو منسوخ کر دینے پر بھی اجماع ہو چکا ہے وغیرہ

تو اس کے بارے میں بھی ہمارا موقف وہی ہے جسکا بارہا اعادہ ہو چکا ہے کہ:

حدیث میں قرآن کو منسوخ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے. نہ اتھارٹی کے لحاظ سے نہ ہمسری اور فوقیت کے اعتبار سے. اجماعِ امت سے نسخ کے اثبات کے لئے امام موصوف کی بے چینی اور بے تابی سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ حدیث کے لئے اجماعِ امت کی تائید کا شوشہ اس لئے ہی چھوڑا گیا تھا کہ انہیں رسول اللہ کی طرف منسوب کسی بھی ناسخ حدیث کا مضمون ایسا نہیں ملا جس میں یہ صراحت موجود ہو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وضاحت فرما چکے ہوں کہ:

"میں خدا کے رسول کی حیثیت سے فلاں آیت یا مسئلہ کو اپنے قول یا فعل سے منسوخ کرتا ہوں"

اگر ایسی وضاحت کا سراغ مل جاتا تو یقین ہے کہ امتِ اسلام نسخ کے معاملہ میں تاریک وادیوں میں بھٹکتی نہ پھرتی لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا، لہٰذا ناسخین وحی نے کیس کو پختہ کرنے کے لئے "مزاج شناسانِ رسولؐ" کے اجماع کی شرط عائد کر دی، تاکہ اس طرح یہ منوایا جا سکے، کہ:

اہلِ نظر اپنی دینی بصیرت کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ:

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود ہوتے اور یہی صورتِ حال اس وقت نمودار ہو جاتی تو آپ بھی ایسا ہی فیصلہ صادر فرما دیتے جو ان لوگوں نے مزاج شناس کی حیثیت سے طے کر رکھا تھا.

اس گہری سازش سے وہ دراصل یہ مرحلہ آسان کرانا چاہتے تھے کہ علماءِ امت کو دین کی ٹیکنیک میں وہی مرتبہ حاصل ہے، جو کہ تائید وحی کے بعد رسولانِ خدا کو حاصل ہوتا چاہیے. یہی وجہ ہے کہ علماء حضرات جس فیصلے اور معاملے کو اپنے خلاف پاتے ہیں اس کے خلاف اس انداز سے بات کر جاتے ہیں جیسے وحی الٰہی کا خاص انداز ہو، یعنی اپنی بات کو وحی کے مزاج اور لہجے میں منوانا

جاتے ہیں ۔

لیکن افسوس کہ اسلام ایسی پاپائیت اور ذیلی نبوتوں کی نہ تو حوصلہ افزائی فرماتا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہے کہ اس کے نام پر خود اسی کے بنیادی نظریات اور فلسفہ ہی کو مسخ کر دیا جائے ۔ ان الحکم الا للہ (حکم صرف خدا کا چلتا ہے اور وہی قابل عمل ہے)

سابقہ نمبروں کی طرح ۳۶ کے بارے میں بھی ہماری گذارش یہی ہے کہ جب خود وحی قرآن اور حدیث نبویؐ میں بھی یہ صلاحیت نہیں ہے کہ موجودہ قرآن کی آیات کو نسخ کر سکیں تو ان سے بڑھ کر اجماع امت میں کون سی اتھارٹی ہے جو قرآن پاک کو منسوخ بھی کر سکے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایسے اجماع کی توثیق پر مجبور بھی ہو جائیں اور پھر ہم اسے اجماع " توقیفی " کے عنوان سے تسلیم بھی کر لیں ؟ پھر اجماع کے بارے میں بھی اصولی طور پر یہ طے شدہ امر ہے کہ

وہ مستقل بالذات شرعی دلیل نہیں ہے ، اجماع صحابہ کا ہو یا علمائے امت کا ۔

لہذا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مستقل بالذات دلائل کی تنسیخ کے لئے اسی کا ہی سہارا لیا جائے ؟ کیا ابن حزم بتا سکتے ہیں کہ امت اسلام نے قرآن پاک کے احکام خمسہ ، صوم ، صلوٰۃ ، حج ، زکوٰۃ اور جہاد کو اس بنا پر تسلیم کیا تھا ، کہ ان کی توثیق اجماع صحابہ کے ذریعہ ہوئی تھی ؟

معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم سے ذہول ہو گیا تھا ، اور وہ شوق نسخ میں کانٹوں پر زبان رکھنے پر مجبور ہو گئے تھے ، ورنہ تو ہماری تحقیق کے مطابق اپنے اس تازہ نظریے سے منحرف بھی ہو چکے تھے ۔ جس سے ہمارے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ ناسخین قرآن کے عقائد میں نہ تو ثبات ہے اور نہ ہی ذہنی انتاد میں کسی طرح کی پختگی (تفصیل ملاحظہ ہو عنوان ابن حزم اور بعض مالکیہ)

خطیب بغدادی

امام شوکانی نے لکھا ہے کہ :

وممن جوز کون الاجماع ناسخا للسنة والکتاب . الحافظ البغدادی فی کتاب الفقه والفقیه ۔

یعنی جن لوگوں نے کتاب وسنت کو (ملاؤں کی ملی بھگت) اجماع سے منسوخ کہا ہے ان میں حافظ الحدیث ابو بکر الخطیب کا نام سرفہرست ہے ۔

(ارشاد الفحول طبع مصر ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۹۳ سطر ۲۰ تا ۲۱)

امام شوکانی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب بغدادی کی طرح کچھ دوسرے لوگ (ومن) بھی اس عقیدے کے حامل تھے ۔ یعنی ان لوگوں کے عقائد میں اس حد تک بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اور وہ " اخلاقیات " اسلامی میں فتنے کے ایک ایسے نئے باب کا اضافہ کرنے پر مصر تھے جس کے بعد کتاب وسنت کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی اور امت اسلام ہر بات کے لئے ملاؤں کی ملی بھگت کا سہارا لے کر مسلمان اور مومن بنی رہتی ۔ لیکن وہ اس بات کو مت بھولیں کہ وحی الٰہی ہر مرحلے پر ان کے باطل کو اپنے حقانی تاب و توانائی کے ساتھ کچلنے کے درپے رہتی ہے ۔ ارشاد ہے :

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل هذا القرآن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ۔

"اے محمدؐ! اس حقیقت کا اعلان کر دیجیے کہ اگر جن اور انس (یعنی پوری کائنات) کا اس فکر پہ اجماع ہو جائے اور وہ مل کر بھی قرآن پاک کی مثل" بنالائیں تو ہرگز نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ سب کے سب اجماع کر کے ایک دوسرے کی پشت پناہی میں پورا زور ہی صرف کر ڈالیں" ۔ (بنی اسرائیل ۸۸)

اس آیت کریمہ میں تمام کائنات کے اجماع کو چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ قرآن کی "مثل" نہیں بنا سکتے۔ یعنے لوگوں کا اجماع قرآن کی "مثل" نہیں بن سکتا۔ لہذا ایسی دلیل جو "مثیل" قرآن نہ ہو اس کے ذریعہ قرآن محکم کو منسوخ کرنے کی تدابیر کرنا وحی الٰہی سے کھلے مذاق کے مترادف ہے۔ غالباً اسی ہی بناء پر امام شافعی وغیرہ وہابیات کے دوسرے ماخذ (حدیث نبویؐ) کو ناسخ قرآن تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حدیث نہ تو مثل قرآن ہے نہ ہم پلہ اور نہ ہی اس سے بہتر۔ پس اگر حدیث نبوی جیسا وقیع ماخذ ہمسری اور مثل بننے کی صلاحیت سے عاری ہے تو اجماع امت کی حقیقت ہی کیا ہے کہ اس میں قرآن محکم کو منسوخ کرنے کی تاب اور توانائی تسلیم کر لی جائے ۔ بنی اسرائیل (۸۸) کی رُو سے ایسا عقیدہ رکھنا قرآن پاک کے چیلنج اور تحدی کو جھٹلانے اور انکار کر دینے کے برابر ہے۔ اعاذنا اللہ منہ ۔

اجماع امت فناری اور تفتازانی کی نظر میں

اجماعِ امت کو ناسخ قرآن کی حیثیت سے پیش کرنے والوں کی رائے کے خلاف علامہ فناری لکھتے ہیں کہ :

اجماعِ امت میں نہ تو ناسخ بننے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی منسوخ بننے کی۔ ہاں چند مشائخ کی ایسی رائے ضرور رہی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ "اجماع" کا زمانہ عہد نبویؐ کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ لہذا عہد نبویؐ میں بغیر پیغمبر کے ماسوا اجماعِ اُمت جیسی تیسرے درجے کی دلیل کا خیال تصور کرنا بھی محال محض ہے۔ کیونکہ پیغمبر اپنی فکر میں یکہ و تنہا ہوتا ہے اس کو کسی کے شریک گردانے کی ضرورت نہیں ہوتی (جیسا کہ ابن حزم وغیرہ نے سمجھ رکھا ہے ط)

رہا یہ کہ زمانۂ صدیق میں غیر مسلموں کی تالیف قلب کے لیے (مشینری فنڈ کے طور پر، ط) قرآن پاک نے جو حصہ دیا گیا تھا اجماع کے ذریعہ اسے ساقط کر دیا گیا ؟

تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اجماع امت نے اسے منسوخ یا ساقط کر دیا تھا، بلکہ جس "سبب" اور "علت" کے باعث ان کا حصہ (یا الگ فنڈ) مقرر کیا گیا تھا وہ "سبب" اور "علت" ہی ساقط ہو چکے تھے۔ یعنی (زمانۂ صدیق ہی میں) جزیرۃ العرب کی تمام آبادی اسلام قبول کر چکی تھی۔ اب وہاں کوئی بھی غیر مسلم باقی نہیں رہا تھا۔ لہذا غیر موجود، غیر مسلم کا حصہ از خود ہی ساقط ہوتا چلا گیا (اجماع امت کا اس میں کچھ بھی عمل دخل نہیں تھا۔ ط)

یہ اور اس نوعیت کے دیگر مسائل جو صورتاً اگرچہ عام تھے مگر خاص اسباب اور حالات سے وابستہ ہونے

کی وجہ سے عام نہیں تھے ۔ لہذا ان کے احکام اسباب وحالات کے مخصوص "محور" پر ہی گھومتے رہے ۔ اس کی تو نوعیت ہی دوسری تھی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجماعِ امت کے ذریعہ کوئی بھی وقیع ماٗخذ متروک اور منسوخ نہیں ہوسکتا ۔

یہ تو تھا اصولی تجزیہ ۔ لیکن اگر اس معاملہ کے ایک اور پہلو کا مطالعہ کیا جائے تو بھی واضح ہوگا کہ :

خود اجماع کی اپنی حالت بھی یہ ہے کہ اسے دوسرا اجماع منسوخ کرسکتا ہے ۔ ایسے میں اگر چند لوگ متفق ہوکر کسی آیت قرآنی کے نسخ پر اتفاق کریں تو چند دوسرے لوگ مجتمع ہوکر اس اتفاق (واجماع) کو ویٹو بھی کرسکتے ہیں ۔ بات کیا ہوئی کہ اجماع کے ذریعہ کوئی معاملہ بھی اپنی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا ۔ البتہ دو ترن متضاد اجماعوں میں سے جو "اجماع" قرآن وسنت کے مطابق ہوگا اسے منعقد ہونے کی سہولت دیجا سکتی ہے ۔ لیکن کتاب وسنت سے طبعی مناسبت کے بعد انعقاد پذیر ہونے کے باوصف بھی "نص معارض" ۔ یعنے ایسی نص جو کہ مصلحت کے لحاظ سے پہلے ایک اجماع کی مؤید تھی لیکن بعد میں مصلحت کے بدلنے پر دوسرے اجماع کی مؤید قرار پائی (وہ) اس کی نفی کرسکتی ہے ۔ اور اگر نفی نہ کرے تو بھی اصولیوں کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ :

"نسخ کے متعلق اجماع امت مطلقاً جائز ہی نہیں ہے "

کیونکہ اجماع یا تو کسی نص کے سہارے ناسخ ہوگا یا بغیر نص کے ؛

اور اگر نص کے سہارے ہوگا تو دیکھنا پڑے گا کہ نص قطعی ہے یا ظنی ؟ ۔ اگر قطعی ہے تو صریح قاطع کے خلاف ۔ کسی طرح کے اجماع کا یقین کرلینا خواہ وہ اجماع نص قطعی ہی سے مؤید کیوں نہ ہو عقیدے کی خطا کو مستلزم ہے اور اگر نص ظنی ہے تو ظنی اجماع ۔ اور نص قاطع کی باہمی آویزش کے باعث اجماع خود بخود ہی منعقد ہونے کی صلاحیت سے محروم ہوجائے گا ۔ جونسی صورت بھی ہو اجماع یقینی ہو یا ظنی ہو نص کے مقابل اس کا وجود باقی نہیں رہتا ۔

لہذا یہ امر واضح ہوگیا کہ اجماع میں یہ صلاحیت ہی مفقود ہے کہ وحی الہی اور سنت نبوی کے کسی حکم کو رفع اور منسوخ کرسکے ۔ (خلاصہ از فصول البدائع طبع استامبول ۱۲۸۹ھ جلد ۲/۱۴۱/۳ تا ۱۱)

فناری مرحوم نے یہ نقطہ خوب اٹھایا ہے کہ اجماع کسی بھی نوعیت کا ہو اس کا زمانہ عہد نبویؐ کے بعد ہی شروع ہوتا ہے ۔ اس سے ابن حزم کے اجماع کی بابت تمام تار و پود بکھر جاتے ہیں جسے انہوں نے عہد نبوی تک پھیلا کر اپنے عقیدے کا جزو بنا ڈالا تھا ۔ خیر یہ تو سر راہے کے طور پر ہم نے ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ کردیا ۔ ویسے اگر علامہ فناری کی تصریحات کا فخر الاسلام بزدوی (متوفی [illegible]) کی رائے سے موازنہ کیا جائے تو عجیب توارد ظاہر ہوتا ہے کیونکہ بزدوی مرحوم کی رائے بھی یہی تھی کہ اجماع امت میں ناسخ بننے کی مطلقاً صلاحیت ہی نہیں ہے ۔

سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی (متوفی ۱۳۸۹ھ) بحوالہ فخر الاسلام رقمطراز ہیں کہ ان نسخ الاجماع بالاجماع جائز

وکان ارادان الاجماع لاینعقد البتة بخلاف الکتاب والسنة فلایتصور ان یکون ناسخھما ویتصور ان ینعقد اجماع لمصلحة ثم تتبدل المصلحة اجماع ناسخ له۔ والجمھور علی انه لاینسخ به لانه لایکون الاعن دلیل شرعی ولایتصور حدوثه بعد النبی صلی اللہ علیه وسلم ولاظھوره لاستلزامه اجماعہم اولاعلی الخطاء مع لزوم کونه علی خلاف النص وھو غیر منعقد۔

یعنے ـــــ اجماع کا نسخ دوسرے اجماع سے جائز ہے بمقصد یہ کہ آپ (امام بزدوی) کے نزدیک کتاب و سنت کے خلاف اجماع منعقد ہی نہیں ہو سکتا اور جب انعقاد پذیر نہیں ہو سکتا تو یہ تصور بھی نہ کرنا چاہیے کہ وہ کسی طرح ناسخ بن سکتا ہے، یا بن سکے گا، کیونکہ اس کی پوزیشن یہی رہتی ہے کہ یہ ہمیشہ مصلحت کے گرد گھومتا ہے اور جب اور جونسی مصلحت نمودار ہوئی اس کے ذریعہ توثیق کی گئی۔ اور بعد میں جب کسی دوسری مصلحت نے پہلی مصلحت کی جگہ سنبھال لی تو نئے اجماع نے تازہ مصلحت کے تحت سابقہ اجماع کو بھی منسوخ کرنا شروع کر دیا اسی طرح اور اسی طرح ـــ (یہ بھی فرمایا کہ): ـــــ

جمہور امت کا اتفاق ہے کہ اجماع امت نہ تو ناسخ بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کے سہارے کسی حکم کی تنسیخ کی جاسکتی ہے، کیونکہ اجماع کیلئے ضروری ہے کہ کسی شرعی دلیل سے مستنبط ہو ــ اور شرعی دلیل کا حدوث ہو، خواہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کا خالی تصور کرنا بھی خالی از فساد نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اجماع جہاں عقیدے کی فاحش غلطی کو مستلزم ہو گا۔ وہاں نص کے خلاف ہونے کی وجہ سے منعقد بھی ہو سکے گا۔ (التلویح علی التوضیح طبع مصر جلد ۲/۳۴)

ابن حزم اور بعض مالکیہ

امام ابن حزم اندلسی کی ایک رائے یہ بھی کہ اجماع امت کے ذریعے کتاب اللہ کا نسخ ہو سکتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی امام موصوف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ چند لمحے بھی اپنی اس رائے پر قائم نہیں رہ سکے وہ "اجماعیوں" پر شدید طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انه لیس عنده صورة لنسخ القرآن بالاجماع وانما ھو یتکلم من ناحیة الجواز العقلی لا الواقع والواقع ھوالذی یھمنا وقد عرفنا ماقیل فی حجب الام الی السدس مع الاخوین وماقیل من سقوط اسھم المؤلفة قلوبھم

ہمارے (بعض مالکی، مخالفین کے پاس قرآن مجید کو اجماع سے منسوخ کرنے کی کوئی واضح مثال نہیں ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے اتنا ہی مترشح ہوتا ہے کہ ایسا نسخ عقلاً جائز ہو سکتا ہے اور بس نہ کہ امر واقع میں بھی ایسا ممکن ہے ـــــــ اور ہمارا تعلق امر واقع سے ہے جس کے ذریعے ایسا نسخ قطعاً محال ہے۔ اور (مخالفین بھی) اپنے نظریہ کی توثیق میں صرف اتنا کہہ پائے ہیں ـــ کہ :ـــ

میّت کے دو بھائیوں کی موجودگی میں والدہ کا تیسرا حصّہ محجوب

کر کے چھٹے تک دلایا گیا ہے —— یا —— پھر یہ کہ جو حصہ غیر مسلموں کی تالیفِ قلب کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا اسے ساقط کر دیا گیا ہے وغیرہ (الاحکام جلد ۴/۱۲۰/۱۶ تا ۱۸)

تبصرہ امام ابن حزم نے ایک ہی سانس میں دو باتیں کہہ ڈالیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں ہی پُر وثوق طریقے سے۔ وُہ جس بات کو ۹ سے ۱۳ ویں سطر تک پورے جوش و خروش کے ساتھ پیش کر چکے تھے، اس ہی صفحہ کی ۱۶ ویں تا ۱۸ ویں سطر میں اس کی نفی بھی کر گئے —— واللہ الحمد

اس مغالطہ کی صفائی میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے البتہ وضاحتًا عرض ہے کہ حقیقت چاہے کچھ بھی ہو والدہ کے ثلث (تہائی) حصہ کو اجماع امت نے منسوخ نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس میں کسی وقیع ماخذ کو نسخ کرنے کی صلاحیت ہے؟ اس کے لئے تو خود قرآن پاک کی نصّ بطور نظیر" کے موجود ہے کہ بسا اوقات جمع کے الفاظ استعمال کر کے تثنیہ بھی مراد لیا جاتا رہا ہے۔ خواہ ایسا استعمال قلیل و نادر ہی کیوں نہ ہو؟

نیز آیہ فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس میں اخوۃ کا لفظ اگرچہ اپنے مفہوم میں جمع کا آئینہ دار ہے تاہم ادبیات عرب میں اس کی مثال موجود ہے کہ بعض قبائل دو بھائیوں پر بھی اس کا اطلاق کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اصول فقہ کے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ: "مفہوم بذاتہٖ حجت نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ دراصل منطوق ہی کا عکس ہوتا ہے"۔ اور منطوق جن الفاظ میں بھی ضبط کیا گیا ہو اجماع امت جیسی تھرڈ کلاس دلیل اس کی ناسخ نہیں بن سکتی۔

فصل ہفتم

قیاس کے ذریعہ کتابُ اللہ کا نسخ

قاضی ابو بکر نے ایسے بھی افراد کا ذکر کیا ہے جو قیاس کے ذریعہ سنتِ متواترہ اور نصِ قرآنی کو منسوخ کرنے کے قائل تھے۔ (ارشاد الفحول طبع مصر ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۹۳ سطر نیچے سے چوتھی)

جائزہ یہ عقیدہ رکھنے والوں کی رائے کئی وجوہ سے باطل ہے کیونکہ

الف ۔ نسخ دراصل بیان ہوتا ہے اس مدت کا جس میں کہ حکم جاری، نافذ اور باقی رہا، بلکہ اس وقت کے لیے حسب حال اور بہتر بھی رہا۔
اور قیاس کا نہ تو یہ وظیفہ ہے کہ مدت کا بیان کرے اور نہ ہی اس مدت میں جاری شدہ حکم کے بارے میں کوئی عمل دخل! لہٰذا وہ ناسخ بن ہی نہیں سکتا۔

ب ۔ قیاس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ کتاب و سنت حتٰی کہ دوسرے معاوِقیاس کے مخالف بھی نہ ہو، کیونکہ

اس صورت میں دونوں مساوی حیثیت کے باعث ناقابلِ ترجیح بن جائیں گے اور ایک کو بلا وجہ دوسرے پر ترجیح دینا اصولی طور پر غلط ہو جائے گا۔ خاص کر ترجیح کی صورت میں قیاس معارض ۔ اگر قیاس جلی یا قیاس قوی ہے تو ضروری ہے کہ اس پر ہی عمل واجب ہوگا اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایسے قیاس کو اصطلاحی زبان میں ناسخ نہیں کہا جا سکتا کہ جونہی قیاس اوّل کی خطا ظاہر ہوئی — وہ خود ہی قابلِ ترک ہو گیا۔ اسی طرح اسے منسوخ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اسے معارض کی حیثیت حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور جس کو معارض کی حیثیت حاصل نہ ہو تو بقاعدہ "غیر معارض میں منسوخ ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی" لہٰذا ہم اسے منسوخ بھی نہیں کہہ سکتے۔

یہ تھیں ناسخ کی چار بڑی قسمیں۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع امت اور قیاس کی تفاصیل اور مباحث اب آپ منسوخ کی چھ قسموں کی تفصیل اور بحث ملاحظہ فرمائیں۔

فصل ہشتم

منسوخ کی چھ قسمیں

قسم اوّل ایسا قرآن جس پر کسی "علت" کی وجہ سے عمل کرنا فرض ہو گیا تھا لیکن بعد میں وہ "علت" جو کہ موجبِ عمل تھی باقی نہیں رہی، لہٰذا عمل منسوخ اور الفاظ قرآن باقی رہ گئے۔

تبصرہ اصولی طور پر اس قسم کے منسوخ کو نسخ کی ذیل میں لایا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ حکم جب کسی "علت" سے وابستہ ہوگا تو علت کے بدلنے سے وہ بھی بدل جائے گا۔ پھر علت جب دوبارہ ظہور میں آئے گی، تو حکم بھی از سرِ نو عائد ہو گا۔ لہٰذا علتوں سے وابستہ احکام کو نسخ کے دائرے میں نہیں لایا جا سکتا۔

قسم دوم ایسا قرآن جس کا رسم الخط (لفظی سٹائل) اور تلاوت منسوخ ہو گئی مگر بغیر "بدل" کے (یعنی اس کے عوض تلاوت کے لئے الفاظ نہیں اترے تاکہ لفظی سٹائل جو قرآن کے لئے خاص تھا اس کی صورت میں باقی اور محفوظ رہتے) لیکن حکم باقی رہ گیا جیسے آیۂ رجم الشیخ والشیخۃ۔

تبصرہ آیۂ رجم کا تعلق اگر کتاب اللہ سے ہوتا تو ضروری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی صورتِ خط (قرآنی سٹائل ہی میں) عطا کرتے اور تلاوت کے لئے قرآن پاک ہی میں درج فرما دیتے لیکن مفہوم کی ٹیکنیکل فاحش غلطی اور الفاظ کے غیر معجز ہونے کے عیب کی وجہ سے قرآن حکیم کی شایانِ شان نہ سمجھ کر آپؐ نے نہ تو خود ہی اسے قرآن سمجھا اور نہ ہی عمرؓ خطاب کے اصرار پر قرآن میں درج کرنا پسند اور جائز قرار دیا۔ اسے قرآن کی بجائے حدیث کہہ سکتے ہیں۔ ایسی حدیث جسے خود بخاری اور مسلم نے بھی تسلیم نہیں کیا۔

قسم سوم ایسا قرآن جس کا حکم تو مماثل قرآن سے منسوخ ہو گیا، لیکن لفظی اعتبار سے دونوں ہی قرآن میں رہ گئے، جیسے اللذان یاتیانها منكم (عمران) اور فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة (نور)

تبصرہ یہ ایک وہم ہے کہ اس نوعیت کا کوئی نسخ قرآن پاک میں واقع ہوا ہے؟ اور جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ شعور فہم کا نتیجہ ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منسوخ ۲۱۲ اور ۵۵ وغیرہ)

قسم چہارم ایسا قرآن جس کا حکم اور رسم (لفظی سٹائل جو قرآن کے لئے خاص ہے) حتّٰی کہ خزانۂ دماغ میں اس کا دھندلا سا تصوّر بھی باقی نہیں رہا اور اخبار احاد کے ذریعہ معدوم ہوا کہ کتاب اللہ کی ایسی قسم ضرور رہی تھی۔ جیسے ابو موسےٰ اشعری سے روایت ہے کہ قرآن میں سورۃ براۃ جتنا ایک سورۃ تھا جو اٹھا لیا گیا۔

تبصرہ اخبار آحاد میں قرآن بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ابو موسےٰ کے قول سے (بشرطِ ثبوت) یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا ایک حصہ خبر واحد قسم کا بھی تھا جو کہ سراسر خلاف واقعہ ہے۔ اگر اس قسم کا آحادی قرآن کہیں موجود ہوتا تو لوگوں کے پاس نمونہ کے بطور کچھ نہ کچھ باقی ضرور رہتا۔

قسم پنجم ایسا قرآن جس کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے مگر سینوں سے الفاظ محو نہیں ہوئے جیسے عائشہ صدیقہ سے "عشر رضعات" والی آیت۔

تبصرہ عائشہ صدیقہؓ کی طرف منسوب قرآن کی حقیقت اپنے مقام پر واضح ہو چکی ہے مختصر تعارف کے لئے ملاحظہ ہو: منسوخ ۵۵۔

نیز ہمارے نزدیک ایسا قرآن نہ صرف لغو اور باطل ہے نفسیات وحی کی روشنی میں اسلام کے خلاف بدترین سازش بھی ہے کیونکہ اس طرح تو ہزاروں اشخاص "سینوں میں حفاظت" کا بہانہ بنا کر وحی قرآن کے متوازی دیگر قرآن پیش کر کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآن امام غائب یا خاص خاص راویان احادیث سے سینہ بسینہ ہمارے پاس چلا آرہا ہے۔ اور پھر اس وقت کوئی نہ ہوگا جو ان کے اس دعوے کو چیلنج کا جواز رکھتا ہو۔

قسم ششم ایسا قرآن جس کے الفاظ تو نطق اور تلاوت کے لحاظ سے باقی رہے لیکن مفہوم منسوخ ہو گیا۔

تبصرہ اگر الفاظ باقی رہے اور مفہوم منسوخ ہو گیا تو ایسے مہمل اور بے معنیٰ الفاظ کے باقی رکھنے میں قرآن کے اعجاز کا دعوےٰ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس طرح یہ ماننا پڑے گا۔ کہ اس میں کچھ مہمل اور کچھ حصہ بیکار بھی ہے۔ بے معنیٰ الفاظ کو باقی رکھنے سے قرآن اور صاحب قرآن کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ قرآن کی افادی حیثیت اس کے الفاظ با معنیٰ میں مضمر ہے۔ اس کا ہر لفظ باعث ہدایت اور اس کا تمام تر نطق موجب نجات ہے۔ لیکن جب اس کے الفاظ بے معنیٰ، جملے بے مفہوم اور عبارتیں مہمل ہوں تو اس وقت ہمارے لئے اخذ و استنباط کی کیا صورت باقی رہ سکتی ہے؟ خاص کر علمائے اصول نے بارہا اس بات کی وضاحت کی ہے کہ:

"مفہوم حجت نہیں ہوتا بلکہ اکثر تو مفہوم سے استدلال کرنا بھی جائز نہیں سمجھا" لہٰذا مفہوم جب دلیل کی حیثیت ہی نہیں رکھتا تو ناسخ یا منسوخ کی صلاحیت کیونکر رکھنے لگا؟

یہ تھیں آیات قرآن کی وہ چھ قسمیں جنہیں سے کہ ہمارے علماء حضرات قرن ہا قرن سے قرآن پاک پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں کم از کم ان چھ اقسام کی تحلیل سے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ کلمہ لا مدلول لہا ایسے کلمات ہیں جن کا نہ کوئی مفہوم ہے نہ کوئی مقصد۔ بے زبان جانوروں کی بے مقصد بولیاں ہیں اور بس۔ اور قرآن پاک تو بے مقصد بولی نہیں ہے۔ وہ ہر عیب سے منزہ اور ہر سقم سے پاک ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ

فصل نہم

نسخ کے شرائط اور دیگر مباحث

قرآن جیسی باطل شکن حقیقت کے الفاظ و معانی کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں جو کھلا مذاق روا رکھا گیا ہے اس کی روداد بہت طولانی ہے۔ مختصر یہ کہ دسیسہ کاروں نے وحی الٰہی کی بے نقاب حقیقتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے نسخ کے عنوان سے ایک عظیم ہیکل تعمیر کر کے اس کام کا آغاز کیا تھا کہ جب تک اس طلسمی ہیکل کے نقشوں اور اصول تعمیر سے واقفیت نہ ہو کوئی شخص بھی اس کی بوالعجبی اور سریت کا رازداں نہیں ہو سکتا، لیکن ایسا فرض کرنا ان لوگوں کی خوش فہمی کا نتیجہ تو ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں تھا کہ اس باطل طلسم کو توڑنے والا کوئی اسم اعظم کسی کو مل ہی نہ سکے یا اس ہیکل کے نقشوں اور اصولوں سے کسی کو واقفیت ہی نہ ہو سکے۔ ذیل میں ان اصولوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جن کو سامنے رکھ کر نسخ فی القرآن کا یہ طلسم تیار کیا گیا ہے۔

پہلی شرط ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ "ترتیب" کے لحاظ سے منسوخ کے بعد ظاہراً نازل ہوا ہو۔

اسم اعظم بصد افسوس کہ امکانی ذرائع کی حد تک ہمارے پاس ایک بھی ایسی متواتر یا مشہور دلیل کا وجود نہیں ہے جو پورے وثوق اور یقین کے ساتھ آیات کے نزول کی "ترتیب" کا تعین کر سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری تمام تر "اختلافیات" کا ڈھانچہ وضع ہی نہ ہوا ہوتا اور ہم نہایت آسانی کے ساتھ مسائل اور احکام کے اخذ و استنباط میں صراط مستقیم پر چل کر گمراہ ہونے سے بچ سکتے تھے بلکہ اس سے ہمارے سامنے پوری آسانی کے ساتھ جاہلیت کی سوسائٹی اور اسلامی دور کی سچی تصویر بھی نمایاں اور ظہور پذیر ہو سکتی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا اور نہ ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ اس شرط کے امکانات ہی مفقود یا نادار تھے اور جب شرط کے امکانات ہی ختم ہوں تو ضروری ہے کہ مشروط (نسخ) کا وجود بھی کالعدم ہو جانا چاہئے۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔

(تفصیل ملاحظہ ہو باب دوم منسوخ ۲۵، ۱۴۰ و ۱۴۱ وغیرہ)

دوسری شرط منسوخ از قسم "خبر" نہ ہو یعنے اس میں واقعہ بیان کرنے کے انداز سے بات نہ کی گئی ہو۔

اسم اعظم جس طرح لوگوں نے پہلی شرط کو اصول کی حد تک تسلیم کر لینے کے باوصف عملی طور پر ہر جگہ اس کی مخالفت کی اور بہت سے مقامات پر "ترتیب" کا خیال نہ کرتے ہوئے بعد کی آیت کو پہلی آیت سے منسوخ کر دیا (جیسے منسوخ ۲ میں ہوا) اس طرح زیر بحث شرط کی پابندی بھی ان سے نہ ہو سکی اور اصول کی حد تک لازم قرار دینے کے باوجود۔ ان آیات کی بے دریغ تنسیخ کرتے گئے جو خالصتاً "خبریہ" انداز بیان کی حامل تھیں (جیسے کہ منسوخ ۸، ۱۹۵ اور ۲۱۰ وغیرہ اس کا زندہ ثبوت ہیں) حالانکہ جو لوگ اخبار میں نسخ کو جائز سمجھتے ہیں وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اس طرح قرآنی واقعات کی صریح تکذیب ہو جاتی ہے اور قرآنی آداب اور سوسائٹی کے مفاد کو دھکا لگتا ہے۔

تیسری شرط دونوں آیتوں میں کسی طرح کا کھلا تضاد اور واضح اختلاف ہو۔

اسم اعظم یہ شرط نہ صرف باطل ہے۔ ایسا تصور کرنے والے قرآن پاک کی عصمت اور تضاد کی نجاست سے منزہ ہونے کا انکار بھی کر رہے ہیں۔ کلام پاک ہر قسم کے تضاد اور شائبہ تضاد سے پاک ہے۔ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا۔

جن لوگوں نے قرآن پاک میں تضاد کا فارمولا قبول کر لیا ہے انہوں نے وحی کی نفسیات اور احترام کو ہرگز ملحوظ نہیں رکھا۔ کسے باشد۔

ہم اورنگ زیب عالمگیر کے اتالیق ملا جیون کے ایمان سوز فقرے کو عصمت وحی کے سراسر خلاف سمجھتے ہیں جس میں یہ تصور دیا گیا ہے کہ

"کتاب اللہ کی دو آیتوں میں جب تعارض واقع ہو تو دونوں آیتیں ہی ناقابل حجت اور پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھی جائیں گی۔ (نور الانوار طبع مجتبائی دہلی)

ملا جی کے الفاظ ہیں: اذا تعارضتا تساقطتا۔

چوتھی شرط منسوخ کسی مقرر یا وقت معلوم سے متعلق نہ ہو۔

اسم اعظم اس شرط کا پورے قرآن پاک میں وجود ہی نہیں ہے اور جن لوگوں نے بہ تکلف اس نوعیت کے منسوخوں کی نشاندہی کی ہے، دوسرے باب میں متعلقہ مقامات پر ان کا تفصیلی جائزہ لے کر واضح کیا گیا ہے، کہ یہ مناسخ ان کی جہالت کا زندہ ثبوت ہیں۔ نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو منسوخ ۲ و ۵

یہ یاد رہے کہ وقت یا وقت مقررہ کے ذیل میں ہنگامی حالات اور مشروط اسباب نہیں آتے اور دونوں کیفیتوں میں فرق نہ کرنے ہی سے غلط نتائج ظہور میں آ رہے ہیں۔

پانچویں شرط ناسخ موجب علم و عمل ہو۔

اسم اعظم یہ بھی ایک گونہ خیال آفرینی ہے جس کا ماخذ علم نہیں سوء فہمی اور بدبینی ہے۔ ہم نے دوسرے باب میں تفصیل سے واضح کیا ہے کہ۔ جن آیات کو غیر موجب علم اور غیر موجب عمل ظاہر کر کے منسوخ تلایا گیا تھا وہی آیات

مزعومہ ناسخ آیات کی طرح موجبِ علم اور موجبِ عمل تھیں، ہیں اور رہیں گی۔

اس شرط کا ماخذ اصولیوں کا حسب ذیل اختلاف ہی معلوم ہوتا ہے یعنی ان کا اس باب میں اختلاف ہے کہ —— "امر" کا صیغہ "اصل" میں وجوب کا متقاضی ہے اور جہاں کہیں مزعومہ ناسخ آیات میں یہ صیغہ آیا انہوں نے اس بناء پر فوراً اس سے وجوب ہی مراد لے لیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی کوئی "طے" شدہ اصول نہیں ہے۔ کچھ اصولی یہ بھی کہتے ہیں کہ امر کا صیغہ وجوب سے "ندب" کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ "طرطوشی" (متوفی ۵۲۰ھ) اور مالکی مذہب والے اسی ہی خیال کے حامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہ "وجوب" کے لئے ہے اور نہ "ندب" کے لئے اس سے "جوازِ محض" کا ثبوت ملتا ہے اور بس۔ اور غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ

امر کی جو حالت (اور پوزیشن) وجوب سے پہلے تھی اب بھی وہی رہے گی، تاوقتیکہ کسی "شرعی قرینے" سے اس کی حیثیت کا تعین نہ ہو (سلم العلوم طبع مصر مصنفہ الشیخ بخیت جلد ۲/ ۲۳۷ و ۲۳۸)

قاضی شوکانی اپنے ہم مسلک حضرات کے برعکس، حنفیوں کی طرح "وجوب" ہی کے قائل تھے (ارشاد الفحول)

ھمارے نزدیک یہ تمام باتیں دلیل کی محتاج ہیں —— جس سے اصولی حضرات ابھی بہت ہی پیچھے ہیں۔ یہ باتیں باتوں سے نہیں قواعد، لغت، ادبیات عرب اور اسالیب زبان ہی سے سلجھ سکتی ہیں اور بحمد اللہ ہم نے دوسرے باب میں ان ہی امور کی روشنی میں علماء حضرات کی وسوسہ اندازیوں کا محل و موقع کی مناسبت سے ہر مقام پر تعاقب کیا ہے۔

چھٹی شرط
اسمِ اعظم

ناسخ ایسے حکم پر مشتمل ہو جس میں یسر اور سہولت ہو یعنے منسوخ کی طرح مشکل اور ناقابل برداشت نہ ہو یا کم از کم منسوخ کے مساوی ہو۔

بر سبیل تنزل کہ وحی قرآن میں کسی طرح کا نسخ جائز ہے بھی سہی؛ یہ شرط بظاہر خوش آئند اور موزوں شرط ہے۔ لیکن ناسخین قرآن میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ناسخ کو باعتبار منسوخ کے بھاری اور سخت ہونا چاہئے کیونکہ "نسخ" بذاتِ خود ایک امتحان ہے اور امتحان میں نرمی اور یسر نہ ہونا چاہئے۔ سیوطی، ابن حزم، قرطبی اور جمہور کی یہی رائے ہے۔

ھمارے نزدیک فقہاء اور اصولیوں کا یہ لفظی نزاع اور آگے چل کر معنوی اختلاف اس بات پر شاہد ہے کہ یہ شرط ہی ضعیف کمزور اور بے فائدہ ہے۔

فقہائے کرام اگر ناسخ کے لئے یسر کے قائل نہیں تو وہ بتا سکتے ہیں کہ جرم زنا کی سزا میں سو دُرّے کی بہ نسبت سنگساری میں کونسا یسر پوشیدہ ہے؟

اور چار بار شراب پینے پر مناسب کوڑوں کی سزا کے مقابل جان سے مار ڈالنے میں سہولت کا کیا راز پنہاں ہے؟ اسی طرح جمہور اور ابن حزم وغیرہ اگر دشواری کے زیادہ دلدادہ ہیں۔ تو قرآن پاک کی ذیل کی آیات اور ان کی ہم مضمون احادیث رسول ﷺ کا جواب کیا ہوگا۔ جن میں صریح طور پر یسر کو سراہا گیا ہے۔ مثلاً ——

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ - ۱۸۵) وما جعل علیکم فی الدین من حرج (حج ۷۸) ان الدین یسر (حدیث) یسروا ولا تعسروا - (حدیث)

نیز ایک حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل دین کے بارے میں تشدد پسند اور دشواری طلب تھے جس پر اللہ سبحانہ نے بھی ان کے ساتھ تشدد کا برتاؤ روا رکھا اور سخت سے سخت احکام دیئے۔

کیا یہ تمام نصوص اور احادیث اس پر گواہ نہیں کہ یسر قانون فطرت کے عین مطابق ہے؟

ساتویں شرط | ناسخ اپنے منسوخ سے منفصل (جدا) اور متاخر (عرصہ بعد نازل ہوا) ہو اور اگر وہ منفصل نہیں مقترن (ملا ہوا) ہے تو اسے منسوخ نہیں۔ شرط، صفت، استثناء اور تخصیص کہا جائے گا (ارشاد الفحول ص۱۸۶)

اسم اعظم | فقہاء اور محدثین کی یہ ایک مسلمہ شرط ہے لیکن دیگر مسلمات کی طرح یہاں بھی انہوں نے بغیر کسی علمی اور قانونی جواز کے ہر موقعہ پر اس کی دھجیاں بکھیر کر سینکڑوں قرآنی آیات پر نسخ کا حکم لگا دیا ہے۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو منسوخ ۹ وغیرہ

آٹھویں شرط | ناسخ قوت اور زور کے لحاظ سے منسوخ جیسا یا اس سے بھی زیادہ طاقتور ہو۔ کم نہ ہو۔ لان الضعیف لا یزیل القوی قال الکیا وھذا مما قضی بہ العقل بل دل الاجماع علیہ فان الصحابة لم ینسخوا نص القرآن بخبر الواحد

کیونکہ ضعیف اور کمزور عادتاً طاقتور کو زائل نہیں کر سکتا۔ الہراس نے کہا ہے، کہ عقلی تقاضے اسی کو چاہتے ہیں اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے؛ کہ

"ناسخ پاور میں منسوخ سے زیادہ طاقتور ہونا چاہئے"

اور ـــ یہی وجہ ہے کہ جہاں تک صحابہ کرام سے ثابت ہے وہ خبر واحد کے ذریعہ قرآنی آیات کو منسوخ کرنے کی جسارت نہیں کرتے تھے (کیونکہ خبر واحد بھی طاقت اور پاور کے لحاظ سے وحی قرآنی کے مقابل کمزور اور لایعنی تھی)

(ملاحظہ ہو ارشاد الفحول طبع مصر ۱۹۳۷ء ص ۱۸۲، سطر ۹ تا ۱۱)

اسم اعظم | یہ بڑی خوش آئند شرط ہے، لیکن مشاہدہ اس کی تائید سے قاصر ہے اور ہم دوسرے باب میں وضاحت سے بتلاتے جائیں گے کہ "ناسخین قرآن نے اتنے ادعا اور تہیہ کے باوصف کہیں بھی اس شرط کا پاس نہیں کیا اور جب اور جہاں جی چاہا اس کی دھجیاں اڑا دیں کیونکہ یہ لوگ جب نظری طور پر نسخ کرا چکے تھے، تو عملی دشواریاں ان کے کردار میں حائل نہیں ہو سکتی تھیں لہذا انہوں نے سابقہ شرائط کی طرح اس شرط کو بھی بد پرہیزی کی حد تک لتاڑا اور ہر ہر قدم پر اس کی مخالفت ہی کرتے چلے گئے۔ امام شوکانی جس نے اصولیوں سے آٹھویں شرط نقل کر کے بظاہر یہ تاثر دیا تھا کہ خبر واحد کے ذریعہ نسخ القرآن کا عقیدہ اجماع امت اور عمل صحابہ کی روشنی میں باطل

محض ہے۔ آگے چل کر خود ہی اس باطل محض کو جزو ایمان بنانے اور خبر واحد ہی کے ذریعہ وحی قرآنی کے منسوخ ہونے پر دلائل بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ آپ قرآن پاک پر پھبتی کستے ہوئے لکھتے ہیں۔

الف : آیۂ کریمہ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ کو حدیث کل ذی ناب من السباع و مخلب من الطیر نے منسوخ کر دیا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ یہ حدیث (ناسخ) خبر واحد ہے۔ (ارشاد الفحول ص۱۹۱ سطر ۲ تا ۵)

ب : نکاح متعہ کی تنسیخ حدیث ہی کے ذریعے ہوئی اور دنیا جانتی ہے کہ وہ بھی خبر واحد ہی ہے۔ یہ اور اسی طرح اس کی بہت سی اور مثالیں بھی مل سکتی ہیں (ص۱۹۱)

ارشاد الفحول کے مصنف نے طنزیہ لہجہ میں قرآن پاک کا مذاق اڑاتے ہوئے خبر واحد کے ذریعے نسخ القرآن کی جو نظیریں قائم کی ہیں اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ ما لم ینزل بہ پر کس قدر دلدادہ و شیدا تھے؟

اب آئیے ان نظیروں کی طرف تو ان کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن آحاد کو ذریعہ نسخ ٹھہرا کر آٹھویں شرط کو توڑنے کا جواز تلاش کر لیا گیا ہے انہیں (بشرط ثبوت) تخصیص کہا جا سکتا ہے، نسخ سے موسوم نہیں کیا جا سکتا، کہ عربی لطافتیں اور بلیغ انداز بیان اس سے مانع ہے۔ خاص کر آیت قل لا اجد کو علماء اسلام نے منسوخ نہیں کہا۔ اختلاف الفاظ کے ساتھ مجمل یا خاص کہا ہے (تفصیل ملاحظہ ہو منسوخ ص۱۰۴)

رہا متعہ والی احادیث کا جواب تو اس کی تفصیل کا بھی یہ مقام نہیں ہے منسوخ ص۵۹ ملاحظہ کرنا چاہئے۔

یہ تھیں وہ مایۂ ناز، آٹھ بنیادی شرطیں جو نسخ کے طلسمی ہیکل کی ساخت و پرداخت کے لئے ضروری سمجھی گئی تھیں اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے توڑنے کے لئے کسی کے پاس بھی اسم اعظم نہیں ہے؟ ہم نے بحث کی خاطر ان شرائط کو گوارا کر لیا ہے، لیکن آپ دیکھیں گے کہ اقوال الرجال کے پرستاروں نے ہر موقع اور محل پر خود ہی ان سے انحراف کیا اور اسی طرح خود ہی اپنی تعمیر میں ایک نہ ایک خرابی کی صورت مضمر کرتے چلے گئے ہیں۔ دوسرا باب "یخربون بیوتھم بایدیھم" کی مشاہداتی تجربہ گاہ ہے۔ وہاں آپ ملاحظہ کر لیں گے کہ اپنے گھروندوں کو اپنے ہی ہاتھوں کس حد تک ان لوگوں نے پیوند زمین کرنے کا مظاہرہ کیا ہوا ہے۔

نسخ، تخصیص اور استثناء میں فرق

اکثر لوگ غلو کی حد تک وحی قرآنی میں نسخ کے شیدائی نظر آتے ہیں اور اس میں وہ اتنا آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب ان کا پلٹ آنا ممکن نہیں رہا۔ وہ نسخ کے شوق میں وہی کچھ کر گزرتے ہیں جن کی قاعدے و قانون کی رُو سے گنجائش ہی نہیں ہوتی وہ تخصیص اور استثناء کی بین السطور نسخ کے مضامین چن کر بے شمار آیات الٰہی کو بلا وجہ باطل کی نذر کئے دیتے ہیں۔ ذیل میں اہل فن کی تصریحات اور ان کے مابین امتیازی

تفریق کی روشنی میں الگ الگ وضاحت ملاحظہ ہو۔

نسخ منسوخ کے تمام اجزاء زائل ہو جائیں اور اس کے بدلے نیا حکم نازل ہو یا پھر۔ بغیر بدل کے مقررہ وقت کے بعد خود بخود ہی باطل ہو جائے، لیکن اس ابطال کے لئے حرف "توسط"۔ ضروری نہیں ہے۔

تخصیص حرف "توسط" کے بغیر حکم کا ازالہ کیا گیا ہو لیکن شرط یہ ہے کہ تخصیص اپنے مخصص کے ساتھ ہو یا منفصل (دور دور) ہو — اور اگر متصل ہو گی تو یہ نسخ کی ذیل میں چلی جائے گی۔

استثناء حکم کے جن اجزاء کی "استثناء" مطلوب ہو۔
ضروری ہے کہ — ان میں پہلا جز متصل ہو۔

مزید فرق

شوکانی رقمطراز ہیں کہ
منسوخ کے بعد ناسخ پر عمل کرنے میں اگر تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن تخصیص کے بعد مخصوص پر عمل کرنا فوراً ہی لازم ہو جاتا ہے۔ (ارشاد الفحول طبع مصر ۱۹۳۷ء صہ ۱۴۳)

(۲) —
تخصیص کئی صورتوں سے خالی نہ ہوگی یا تو
اپنے عام سے مقترن (ملی ہوئی) ہوگی۔
یا متقدم (پہلے)
یا متأخر (بعد میں) ہوگی۔
یہ تمام صورتیں جائز ہیں لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ ناسخ اپنے منسوخ سے متقدم ہو یا مقترن ہو۔ بلکہ اس کے لئے مؤخر ہونا ہی واجب ہے (ارشاد الفحول صہ ۱۴۳)

جائزہ یہ تصریحات اپنی جگہ پر گوارا ہیں لیکن افسوس ہے کہ نظریۂ نسخ کے حاملین جب قرآن پاک کی کسی بھی آیت کو منسوخ کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں تو اس وقت ان تمام بنیادی امتیازات اور تفریقات کو بھول جاتے ہیں، ان کی فکری نہج جن مفروضوں پر استوار ہوتی ہے وہ اس سے سرِمو انحراف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، وہ نسخ کے قواعد وضوابط کی تلقین تو ضرور کرتے ہیں، لیکن خود ان کی پابندی سے آزاد رہتے ہیں۔ منسوخ ۲۸ وغیرہ میں واضح ہوگا کہ، خاص اور استثناء کے اسلوب سے بھی انہوں نے آیاتِ الٰہی پر گہرے وار کئے ہیں۔

آگے چل کر شوکانی مرحوم لکھتے ہیں کہ ——
" دلیل ظنی کے ذریعے "نص قطعی" کی تخصیص ایک مانی ہوئی حقیقت ہے لیکن یہ ناقابلِ تسلیم ہے کہ دلیل ظنی کے ذریعہ نسخ بھی واقع ہوتا ہو (صہ ۱۵۱) وغیرہ

یہاں ____ شوکانی کی بات کچھ واضح نہیں ہوئی، کیونکہ ____
حنابلہ کی اکثریت، معتزلہ، متکلمین، علمائے عراق اور دیگر فقہائے اسلام خبر واحد (یعنے دلیل ظنی) کے ذریعہ تخصیص کے خلاف تھے (ارشاد الفحول صفحہ ۱۵۸)

یعنے کہ دلیل ظنی کے ذریعہ نسخ کے خلاف تھے۔

اس کے بعد شوکانی نے ایک تأثر یہ بھی دیا ہے کہ

"واقعات اور خبروں میں تخصیص اور استثناء واقع ہو سکتے ہیں لیکن "نسخ" (قطعاً) ممتنع ہے"

____ اس ضمن میں امام شوکانی نے مثال کے لئے آیۂ "قصاص" کو سامنے رکھا ہے، لیکن ہم نے منسوخ ۱۱ میں جو نقص اور تفصیل دی ہے۔ اس سے امام موصوف کی پیش کردہ مثال غلط ثابت ہو جاتی ہے۔

نسخ مناسب ہے یا تخصیص؟

امام مالک اور آپ کے ہم خیال اصحاب کی رائے میں قرآن کا ہر وہ حکم عام ہی تصوّر ہوگا جو کسی طرح کے قرینے سے خالی ہو۔ اور اس عام کے لئے تخصیص ضروری ہے۔ نسخ بالکل غیر ضروری ہے امام زرکشی فرماتے ہیں کہ اما النسخ بالآیۃ فلیس بنسخ بل تخصیص
یعنے ـ کسی آیت قرآنی کو اگر دوسری آیت سے منسوخ کیا جائے تو امام مالک اسے منسوخ تسلیم نہیں کرتے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ تخصیص ہے۔ (بحوالہ "البرھان" جلد ۲/۳۲/۱۴)
کیونکہ نسخ کی تعریف یہ ہے کہ وہ منسوخ کے تمام اجزاء کو باطل کر دے اور ایسا تصوّر کرنا وحی الٰہی کی شان کے منافی ہے

نسخ الناسخ

انسانی قیاس آرائیوں اور بزعم خویش مذہبی دانشوروں کے بے ہنگم اجتماع نے نسخ کے باب میں ایک ایسی نوع کا سراغ بھی لگایا ہے جو خود ان کے نقطۂ نظر سے بھی "اچھوتی قسم" کی ہے۔ یعنے ایسا ناسخ جو خود بھی منسوخ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اسے مفسرین کی اصطلاح میں "نسخ الناسخ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ____

"نسخ کے ضمن میں یہ بھی ممکن اور جائز ہے کہ منسوخ کی طرح کسی وقت خود ناسخ بھی منسوخ ہو جائے۔"

وہ اس کی مثال میں پیش کرتے ہیں کہ "لکم دینکم ولی دین" کا ناسخ "فاقتلوا المشرکین" (توبہ ۵) تھا پھر اسی ناسخ کو "حتی یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون" (توبہ) نے منسوخ کر دیا ہے۔

(سیوطی۔ الاتقان جلد ۲/ ۲۲ طبع مصر)

تبصرہ

وحی الٰہی کے بارے میں سخریہ انداز گفتگو اور مذاق کو اگر کسی نے روا رکھا ہے تو قرآن پاک نے اسے "کفارِ مکہ" کی اصطلاح سے نامزد کیا ہے، لیکن ہمارے لئے یہ مشکل ہے کہ ہم اپنی ہی صفوں میں جب کفار مکہ کے اسلوب میں کچھ سنیں یا ان کے نہج فکر پر کسی کو چلتا ہوا محسوس کریں تو کچھ عرض کرنے کی جسارت کر سکیں؟ جن آیات کو "نسخ الناسخ" کی مثال میں پیش کیا جاتا ہے ان کے بارے میں ہماری گذارشات واضح ہیں اور چند ہی سطور پیش تر۔ نسخ کی چوتھی شرط کی ذیل میں ان ہی اصحاب کی زبانی ہم نقل کر چکے ہیں کہ :

"منسوخ کسی وجہ اور ہنگامی صورت حال سے متعلق نہ ہو"

اگر ایسا ہو گا تو وہاں نسخ منعقد نہ ہو سکے گا۔ اب آپ یہاں ملاحظہ کر لیجئے کہ ——— فاقتلوا المشرکین، ایک خاص وجہ اور ہنگامی صورت حال سے متعلق ہے اور اسی طرح حتی یعطوا الجزیہ بھی امر جنسی نوعیت کی صورت حال ہی کی عکاسی کرتی ہے۔ اندریں صورت نہ تو "فاقتلوا" میں نسخ واقع ہوا اور نہ ہی "یعطوا الجزیہ" کسی طرح کے نسخ کا فریضہ ادا کر سکا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منسوخ ۱۳۱، ۱۳۱، ۱۹، ۱۱۸)

نسخ الناسخ کے ضمن میں جلال الدین سیوطی نے کسی طرح کی ندامت کا احساس کئے بغیر آگے چل کر نسخ الناسخ کے فارمولے کے لئے ایک دو مثالیں بھی تجویز کر ڈالیں کہ اس طرح متلاشی حق کے دل میں راسخ کر دیا جا سکتا تھا کہ اس نوعیت کا نسخ ضرور ہی قرآن پاک میں موجود ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ

۱۔ سورۂ مزمل کے آخر نے اس کے اوّل کو منسوخ کر دیا تھا اور بعد میں اس ناسخ کو بھی فرض نمازوں کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا۔

۲۔ انفروا خفافا و ثقالا نے تمام اُن آیات کو منسوخ کر دیا تھا۔ جن سے حرب ضرب سے رک جانا مترشح ہوتا تھا لیکن بعد میں خود "انفروا" کے حکم کو بھی "لیس علی الاعمی حرج" والی آیت نے منسوخ کر دیا وغیرہ

اسی طرح سیوطی نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کچھ اور مثالیں بھی پیش کی ہیں جو سب کی سب کج فہم لوگوں کی ذہنی اپچ ہی کی پیداوار ہیں اور ہم نے دوسرے باب میں ہر مثال کا فنی تجزیہ کر کے ان لوگوں کے واہمہ کا مؤثر طور پر ازالہ کر دیا ہے۔ سورۂ مزمل کی آیات کے لئے منسوخ ۲۸۵ تا ۲۸۸ اور انفروا خفافا۔ کے لئے منسوخ ۱۲۲، ۱۲۳ میں تفصیل ملے گی۔

انواع خطاب

ناسخین قرآن کی جہالت کی اصل وجہ ادبیات عرب میں وارد اصناف سخن اور انواع خطاب کو نہ سمجھنا اور بدنیتی سے مسترد کر دینا بھی ہے۔ ذیل میں ہم بعض اصناف سخن کی تفصیل دے کر واضح کریں گے کہ ان لوگوں کو دھوکہ کہاں سے لگا ہے؟ امام بدرالدین زرکشی فرماتے ہیں کہ:

> ہمارے بہت سے مفسروں نے طے کر لیا ہے کہ قرآن پاک میں کافی سے زیادہ نسخ کا وجود دکھلایا جائے، حالانکہ یہ لوگ اپنی اس بے نتیجہ کوشش کی بجائے اگر حقیقت معلوم کرنے کا جذبہ رکھتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ قلیل اور معلوم حد تک ہی نسخ کا سراغ لگ سکتا ہے اور وہ بھی ایسا نسخ جو ادنیٰ تأمل سے معلوم ہو جاتا کہ منسوخ نہیں بلکہ
>
> ۱ : "نساء" یا "تاخیر" کی نوعیت کا خطاب تھا۔
>
> ۲ : یا ——— ایسا "مجمل" تھا جس کے "بیان" کو ضرورت اور وقت کے تقاضے تک ملتوی اور مؤخر

رکھا گیا تھا۔

۳ : یا ایسا خطاب جس کے اوّل اور آخر میں کوئی اور خطاب حائل ہوگیا۔

۴ : یا ایک عام جسے مخصوص کیا گیا۔

۵ : یا کسی خاص کو عام حکم کے لئے استعمال کیا گیا۔

۶ : یا ایک مفہوم دوسرے مفہوم میں متداخل ہوگیا۔

یا اور اسی طرح خطاب کی دوسری انواع جنہیں نا سمجھی (اور بددیانتی ط) سے منسوخ ٹھہرایا جاتا رہا ہے ان کا نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا وانہ الکتاب المهیمن علی غیرہ وھو فی نفسہ متعاضد وقد تولی اللہ حفظہ فقال انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۔

یعنی ــــ منسوخ کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب کو اپنے غیر پر مہیمن (و نگران) بنایا ہے اور پھر ایک بدیہی بات ہے کہ قرآن پاک کا ایک حصہ دوسرے حصّہ کا متعاضد (مؤید، معاون اور پشت پناہ) ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری تمام تر اللہ سبحانہ نے اپنے ذمے لی ہے کہ

ہم ہی نے ذکرِ عظیم نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

(البرہان فی علوم القرآن جلد ۲/ ۴۳ - ۴۴ طبع مصر ۱۹۵۷ء)

امام زرکشی کی ان وضاحتوں کے بعد ناسخین قرآن کی نیت کا فتور قابلِ فہم بن جاتا ہے اور ہمارے ناقدین کو اسی پس منظر میں اپنی تخلیقات کا جائزہ لینا چاہئے

فصل دہم

منسوخ کی تعداد ۔۔۔ (و) ۔۔۔ گم شدہ اوراق

مفسرین کا خیال ہے کہ موجودہ قرآن میں دو سو ایک آیتیں اب بھی بالاتفاق منسوخ ہیں اور تین سو تریسٹھ وہ منسوخ آیتیں ہیں جو قرآنِ مجید میں درج نہ ہو سکیں یا درج کرنے سے روک دی گئیں، وُہ کہتے ہیں کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے مساوی آیتوں پر مشتمل تھا، جس کی ۲۸۶ آیتیں تھیں، لیکن جب عثمان غنیؓ کے زمانے میں قرآن پاک کے نئے ایڈیشن ترتیب دیئے گئے تو احزاب کی ۲۸۶ آیتوں میں سے ۲۱۳ آیتیں حذف کردی گئیں، مفقود اور ضائع ہوگئیں اور ۷۳ باقی رہ گئیں۔ ابو عبید روایت کرتا ہے کہ حدثنا ابن ابی مریم عن ابن لھیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃؓ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرء فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مأتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم نقدر منھا الا ما ھو الآن۔

یعنی ۔۔۔ " عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر عثمانؓ کے زمانے تک سورۃ احزاب کی دو سو آیتیں پڑھی جاتی رہیں، لیکن اس کے بعد عثمانؓ نے مصاحف لکھے تو ہم موجودہ آیات کے ماسوا باقیماندہ دیگر آیات کو حاصل نہ کر سکے یا یہ کہ حاصل کرنے کی قدرت سے محروم کر دیئے گئے (الاتقان طبع ازہریہ مصر جلد ۲/ ۲۵)

تبصرہ مفسرین کے اقوال سے مترشح ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے دوران ہی میں تین سو تیرہ آیتیں مفقود ہو گئی تھیں اور عائشہ صدیقہؓ کی باسند روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ عثمانؓ تک سورہ احزاب کی ۷۳ کے ماسوا دو سو مزید آیتیں پڑھی جاتی رہیں پھر ضائع ہو گئیں یا غائب کر دی گئیں وغیرہ قطع نظر اس کے کہ یہ روایات قرآن پاک کے بنیادی تصور، حفاظت اور تکمیل کے سراسر منافی ہیں۔ اگر اس کی سند پر نظر کی جائے تو میزان تنقید میں اس کا ایک راوی بھی معیاری سطح کا ثابت نہ ہو سکے گا۔ اس کے باوجود ہمیں افسوس ہے کہ یہ لوگ کسی طرح کی ذہنی خلش محسوس کئے بغیر پوری بے باکی اور جرأت سے کہے جا رہے ہیں کہ

"حدیث کا راوی کتنا ہی مجروح اور غیر ثقہ کیوں نہ ہو قرأت (وسیع معنوں میں علوم قرآنی) کے موضوع پر اس کی ہر روایت قابل قبول ہے"۔

قرآن پاک کے ساتھ یہ جانبدارانہ سلوک اور پھر فخر کہ ہم نے اللہ کی اس امانت کو سینوں سے لگا رکھا ہے کس قدر مضحکہ خیز اور غیر شریفانہ اندازِ تسلیم ہے؛ تاریخ گواہ ہے کہ صحابۂ کرام نے قرآنِ پاک کے بارے میں کسی طرح کے تساہل، غفلت اور درگذر سے کام نہیں لیا اور عمر بن خطاب جیسے راست باز اور جری خلیفہ جب "رجم" کو وحی قرآن ثابت

نہ کرسکے تو انہوں نے آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو کر ان کے حق میں رائے تبدیل نہیں کی لیکن ایسے ہی صحابہ کرام اتنے ناقابل اعتماد ٹھہرے کہ ان کے مقابل قرآن پاک میں نقص اور عدم تکمیل کا عقیدہ رکھنے والے زیادہ متقی اور زیادہ راست باز ٹھہرائے گئے ؟ یہ ناممکن ہے۔

جرح علوم قرآنی کے بارے میں غیر ثقہ اور مجروح راویوں کا اعتبار کیا حقیقت رکھتا ہے ؟ اسے جانے دیجئے۔ یہ عقیدہ کا معاملہ ہے اور اصلاح عقیدہ ہمارے بس کا روگ نہیں ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدے کی رو سے دیکھ لیں کہ ان کا یہ اصول کہاں تک نفسیات وحی کا احترام سکھاتا ہے ؟ اور کہ حدیث عائشہؓ جو اس ہمہ گیر بگاڑ کا ماخذ ہے، اس کے راویوں کو میزان تنقید میں رکھ کر حق و باطل میں جو طبعی فرق ہے اس کا معلوم کرنا ایک اہم دینی تقاضا ہے، منوانا ہمارا کام نہیں۔ نشاندہی کا فریضہ اپنی بساط کی حد تک سرانجام دینا ہمارا فرض ہے۔ و ہو ہٰذا۔

سند کا پہلا راوی ابن ابی مریم ہے جس کے بارے میں تصریح نہیں کی گئی کہ وہ ابو محمد سعید المصری ہے یا ابوبکر بن عبداللہ الحمصی ؟ پس جب تک راوی کا تشخص نہیں ہو پاتا اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح سند کے دوسرے راوی عبداللہ بن ابولہیعہ بھی کسی اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک زمانے میں مصر کے قاضی ضرور تھے مگر محدثین کرام نے متفقہ طور پر اسے ناقابل حجت، مخبوط الحواس، پاگل، دماغ رفتہ اور مرفوع القلم قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی عقل ماری گئی تھی اور یہ امتیاز کرنا مشکل ہو چلا تھا کہ اس کی بیان کردہ روایت دماغ خراب ہونے سے پہلے کی ہے یا بعد کی ؟ پھر اس کی وفات پر نظر کیجئے تو ۱۷۴ھ بتائی جاتی ہے۔ اب اگر اس کے استاد ابوالاسود دولی قاضی بصرہ کو دیکھئے تو ان کی وفات ۶۹ھ میں ہوئی تھی۔ اس صورت میں ابن لہیعہ کی عمر ایک سو پانچ برس اگر متعین کی جائے تو بھی ابوالاسود سے روایت کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے اس کے لئے کم از کم پچیس سال مزید چاہئیں اور اس صورت میں ابوالاسود کا جو سال وفات ہوگا وہی ابن لہیعہ کا سال ولادت ٹھہرے گا۔ تعلیم و تعلم کی مدت کہیں سے پوری کر لی جائے تو بھی مصر کے ابن لہیعہ اور بصرے کے ابوالاسود کو اللہ سبحانہ نے طلب حدیث کے لئے گھر سے نکلنے کی توفیق ہی نصیب نہیں کی تھی۔ اب یہ ملے تو کہاں ملے تھے ؟ لہٰذا معاصرت اور ملاقات جس پر استادی و شاگردی کا انحصار ہے اس کا امکان ہی مفقود ہو جاتا ہے پھر اس رکاوٹ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ابوالاسود دولی سیدنا عثمانؓ کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھے بلکہ بنو امیہ کے حق میں ہجو اور دشنام طرازی کرنا آپ کا ایمان تھا اور ہر میدان میں علیؓ کا ساتھ دینا آپ کا مشن! (تہذیب التہذیب طبع اول دکن جلد ۱۲/۱۱) ایسے میں اس کی کیا ضمانت ہے کہ دولی موصوف نے اپنے مسلکی رجحانات سے چشم پوشی اور قلبی عواطف سے اغماض برت کر عثمان غنیؓ پہ "تبدیل مصاحف" اور ضیاع قرآن کا الزام نہ لگایا ہوگا ـــ ؟

یہ ایسی وجوہات اور باطل شکن اسباب ہیں جنہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور ہمارا ایمان ہے کہ وحی الٰہی کے عدم تحفظ اور قرآن پاک کے ایک حصہ کو مفقود اور ضائع کرنے کی تشیطنت ابوالاسود ہی نے کی ہے اور اسے ہی عجمی سازش کے لئے عنصر فعال کی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔

ایک اور سند

فریب خوردہ حضرات جب کسی روایت کی ایک سند میں سقم دیکھ پاتے ہیں یا اس پر جرح کو اٹھانے کی صورت نہیں پاتے تو اس کے مماثل ایک اور سند پیش کر کے سابقہ سند کا سقم دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ احیاناً ۔ واقعہ بیان کرنے والے ایکٹر بھی متعدد دکھائے جاتے ہیں تاکہ ۔ چہروں کی کثرت کا نفسیاتی اعتبار ، ان کا سہارا بن سکے ۔ ذیل میں اسی سے ملتے جلتے مضمون کی ایک اور حدیث ملاحظہ ہو ۔ حدثنا اسماعیل بن جعفر عن المبارك بن فضالة عن عاصم بن ابی النجود عن زر بن حبیش قال قال لی ابی بن کعب کائن تعد سورة الاحزاب ؟ قلت سنتین وسبعین آیة . قال ان کانت لتعدل سورة البقرة (الحدیث)

یعنے ۔۔ عاصم بن ابی النجود راوی ہے کہ زر بن حبیش سے ابی بن کعب نے فرمایا کہ تمہارے خیال میں سورۂ احزاب کی آیتیں کتنی ہیں ؟ ابن حبیش نے جواب دیا یہی کوئی ۷۲ ، یا ۷۳ آیتیں ! اس پر ابی بن کعب نے کہا نہیں یہ سورہ دراصل البقرہ کے برابر تھا اور اس میں ہم یہ آیت .... بھی پڑھتے رہے ۔ (الاتقان ۲/ ۲۵)

تبصرہ

اس سند کی بنا پر کس حد تک معاملہ بنتا نظر آتا ہے ؟ ذیل کے تجزیہ سے اندازہ ہو سکے گا ، جو لوگ قرأت (علوم قرآن) کے باب میں موضوع احادیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عاصم بن ابی النجود علم قرأت کے امام مانے جاتے ہیں اور علوم قرآنی کے ضمن میں ان کی رائے حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے . خاص کر یہ سند ان کے نقطۂ نظر کی واحد اساس تسلیم کر لی گئی ہے . قطع نظر اس کے کہ سند کیسی ہے اور سازش عجم کے کن عناصر کے خفیہ ہاتھ اس میں کام کرتے رہے ؛ محدثین کرام کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکی کہ ان راویوں کی حدیث تو کمزور اور ناقابل حجت ہے مگر قرآن پاک میں تصرف اور تحریف . قابل اعتماد ؟ یہ ایک عجیب تغافل اور قرآن کے بارے میں مجرمانہ تساہل ہے جو ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے ۔ یہ سند کیسی ہے ؟ ہماری فہم و بساط اور معلومات کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح سازش عجم ہی کا شاہکار ہے کیونکہ اس کے ایک راوی مبارک بن فضالہ ثقہ ہونے کے باوجود مدلس تھے اور یہاں اسی تدلیسی انداز سے روایت کرتے ہیں . عاصم بن ابی النجود سے جو کہ حدیث میں کمزور اور صاحب اوہام تھے ، لیکن کرشمۂ قدرت ملاحظہ ہو کہ محدثین کرام نے اسے ہی علوم قرآنی میں امام اور حجت بنا دیا ، یعنے وہی راوی جو حدیث میں بدحافظہ اور صاحب اوہام تھے ، قرآنیات کے امام اور اعلیٰ دماغ قرار پائے (مزید تفصیل ملاحظہ ہو میزان الاعتدال طبع قدیم مصر جلد ۲/ ۵ و ۶)

مبارک کے منفی رجحانات سے درگذر کرو تو اس کے استاد زر بن حبیش کا کیا کیا جائے کہ عجمی سازش کے یہ بھی ایک سرگرم کارکن اور مرکزی کردار ادا کرنے والے دانشور تھے . حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خاص الخاص حامی اور شیعہ تھے (ملاحظہ ہو علامہ مامقانی کی "تنقیح المقال" طبع نجف اشرف ۱۳۴۹ھ جلد ۱/ ۴۳۸ و علامہ تفرشی کی نقد الرجال . طبع تہران ۱۳۱۸ھ) اور شیعہ ہونا ہمارے نزدیک کوئی جرم نہیں ہے . قابل اعتراض یہ امر ہے کہ ان روایات میں یہ تأثر دیا گیا ہے کہ عثمان غنیؓ کے زمانے ہی میں سورتوں میں حک و اضافہ کیا گیا تھا جس سے نہ صرف ایک خلیفہ راشد کا دامن آلودہ ہو جاتا ہے ، قرآن مجید

کے بارے میں عدمِ تکمیل کا مکروہ تصور بھی ابھرتا ہے جو یقیناً ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے لئے قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

ایک کامل سورت ہی غائب

نسخ کے بدنما چہرے پر روایات کا غازہ ملنے والے بغیر سند ہی کے منسوب کرتے ہیں کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ فرمایا کرتے تھے کہ

سورۂ برأت جتنا ایک سورہ جس کی ایک سو تیس آیتیں تھیں نازل ہوکر منسوخ ہوگیا۔ (بحوالہ۔ النسخ فی الشریعۃ الاسلامیہ طبع مصر ۲۹)

نوٹ: عائشہ صدیقہؓ کی روایات سے معلوم ہوا کہ سورۂ احزاب کی دوسو آیتیں موجودہ آیتوں کے علاوہ تھیں جو کہ عثمانؓ غنی کے عہد میں جمع قرآن کے وقت حذف کردی گئیں یا غائب ہوگئیں۔ اور ابوموسیٰؓ کی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ (احزاب کی گمشدہ آیات کے علاوہ) سورہ برأت جتنا ایک سورہ جس کی ایک سو تیس آیتیں تھیں نیز منسوخ ہوگئی تھیں وغیرہ۔ ان روایات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان دونوں مقتدر ہستیوں اور ہم نشینانِ پیغمبر کے بقول "قرآنِ غائب" کا مجموعی میزانیہ تین سو تیس آیتیں ہیں، لیکن یہ استقراء (اور حدِ تحقیق) بھی غلط ہے۔ اس میں اضافے کا امکان ابھی ختم نہیں ہوا۔

ایک ضروری آیت کا نسخ

سیوطی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حجاج عن ابن جریج اخبرنی ابن ابی حمیدہ بنت ابی یونس قالت قرأعلی۔ ابی وھو ابن ثمانین سنۃ فی مصحف عائشۃ۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ وعلی الذین یصلون الصفوف الاول۔ قالت قبل ان یغیر عثمان المصاحف۔

حمیدہ بنت ابی یونس نے کہا کہ ایک بار میرے والد جب اسی برس کے تھے عائشہ صدیقہ کا مصحف نکالا اور آیۂ ان اللہ وملائکتہ کو ذیل کی (خود ساختہ) آیت سے ملا کر تلاوت کیا یعنی آیت کا آخری فقرہ اس طرح تھا وعلی الذین یصلون الصفوف الاول
اس کے بعد حمیدہ نے کہا کہ وسلموا تسلیما کے بعد والا فقرہ عثمان (غنیؓ) کے زمانے تک برابر تلاوت کیا جاتا رہا۔ پھر عثمانؓ نے جب مصاحف میں ردوبدل کا آغاز کیا تو انہیں حذف کرڈالا
(الاتقان طبع مصر)

جائزہ اس خود ساختہ اضافہ کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتے نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی درود و سلام بھیجتے ہیں، جو لوگ نماز کی پہلی صفوں میں شامل ہوتے ہیں ان پر بھی اللہ، فرشتے اور مومن درود و سلام ارسال کرتے ہیں۔
مفسرین کہتے ہیں عثمان غنیؓ نے اس آیت کو مصحف سے خارج کردیا تھا لیکن منسوخ التلاوۃ ہونے کے باوصف اس کا حکم باقی ہے۔ (وغیرہ)
یعنے صفِ اوّل کے مقتدی کیسے بھی ہوں، بدمعاملہ، خائن، وعدہ خلاف، سود خور، جیب تراش، بدعقیدہ، غیبت کے خوگر،

انتشار پسند، مذہب کے نام پر مسلمانوں کے عقیدے کی نفی کرنے والے، دین فروش، فتنے باز، مکار، جھوٹے اور نا تہا درجہ کے بدباطن ہوں تو نماز کی صفِ اول میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کے تمام عیب دُھل جاتے اور وہ شیر خوار بچوں کی طرح پاک، مقدس اور معصوم ہو جاتے ہیں۔ ان کے تقدس کی حلف اٹھائی جاسکتی ہے اور خداوند کریم اور فرشتے ایسے افراد پر اسی انداز سے درود و صلاۃ پڑھنے پر مجبور ہیں جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے پر مامور ہیں؟

اس روایت میں اعمال کی فضیلت اور مقدس لوگوں کے درجات کا اعتراف اگر مقصود ہے تو اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن یہاں رونا اس بات کا ہے کہ بدباطن لوگوں نے یہاں بھی خلیفۂ راشد کو مطعون بنانے کے لئے ہی اس روایت کو جنم دیا ہے۔ تغیر مصاحف کی تہمت اتنی ہلکی اور بے وزن نہیں ہے کہ اسے قرآن کے بنیادی تصور، حفاظت اور تکمیل کے منافی نہ سمجھتے ہوئے گوارا کر لیا جائے؟ اس بدعقیدگی کا جتنا شدید نوٹس لیا جائے اتنا کم ہے اور اگر آپ اس زاویہ سے اس پر نظر نہ ڈالیں تو بھی اس روایت کی سند میں ایک بھی راوی ایسا نہیں ملے گا جسے صف اول کے مقتدیوں کے درجات عطا ہو سکتے ہوں، کیونکہ سند کا پہلا راوی

حجاج بن محمد مصیصی عرف اعور (کانا) بایں جلالت شان کذاب اور پاگل تھے۔ خلال نے کہا ہے کہ اس کی جتنی روایات ہیں بلا استثنا دماغ خراب ہونے کے بعد کی ہیں۔ ابوایوب قیروانی اسے پاگل ہونے کی وجہ سے ضعیف اور کمزور راویوں میں شمار کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین نے جب معلوم کر لیا کہ لوگ اس کے پاس روایتیں لینے کے لئے جاتے ہیں تو اس کے بیٹے کو بلوا کر سختی سے منع کر دیا کہ لوگوں کو اس سے ملنے نہ دیں کہ تمہارا باپ غلط اور صحیح میں امتیاز کرنے سے قاصر ہے۔ جو کچھ اس کے منہ میں آئے گا رسول اللہ کا نام لے کر سناتا چلا جائے گا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ابن جریج جتنی موضوع اور بناوٹی روایتوں کو مرسل بیان کرتا تھا حجاج انہیں سچ سمجھ کر دوسروں کو سنا دیا کرتا تھا۔ امام احمد جیسے نقاد فن کی اس تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ حجاج اپنی ذات میں کذب اور فراڈ کے فن شریف کی پوشیدہ صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ اس کی دوسری صلاحیت ملاحظہ ہو کہ اس کی ہر وہ روایت یقینی کذب اور جھوٹ کا پلندہ شمار ہوتی تھی جو اس نے ابن جریج کے واسطے سے روایت کی ہو جیسے کہ زیر بحث روایت کی سند میں ہے۔ اور خود ابن جریج کی حالت یہ تھی کہ حدیث کے معاملہ میں انتہا درجہ بداحتیاط اور کذاب تھے۔ یہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ رومی النسل نصرانی تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں سب سے پہلے تصنیف کی (ابن خلکان جلد ۱/ ۲۰۵ طبع مصر) یہ بڑے بڑے آئمۂ حدیث کے پیشوا اور امام تھے، لیکن تھے بہر حال وضاع اور کسی حد تک شیعہ نیز — علمائے رجال نے تصریح کی ہے کہ اس نے نوّے عورتوں سے متعہ کیا تھا (میزان الاعتدال جلد ۲/ ۱۵۱ و تنقید الرجال تفرشی طبع تہران ص ۲۱۱)

غور فرمایئے کہ جو شخص ظاہر میں سنیوں کے امام اور باطن میں قرآن کے حرام کو حلال سمجھنے والا ہو قرآن پاک کے بارے میں اس کی رائے کا اعتبار کرنا کس قدر علمی حادثہ ہوگا؟

ابن جریج کے بعد اس کے استاد محمد بن ابی حمید مدنی (جو حماد کے لقب سے مشہور تھے) کا نام آتا ہے جو بتصریح محدثین ضعیف اور بے حد کمزور تھے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث یعنی لاپتہ حدیثیں بیان کرنے والا بتایا ہے اور امام ذہبی نے

ابن قطان کے حوالے سے امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کل من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنه، یعنی جس کے بارے میں میں نے منکر الحدیث کہا ہے اس سے روایت کرنا حرام ہے (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ترجمہ ابان بن جبلہ)

امید ہے سند کے دوسرے روایوں اور محمد بن ابی حمید کے اتنے تعارف کے بعد زیر بحث سند کی پوزیشن واضح ہو چکی ہو گی۔ محمد کے بعد اس کی استانی حمیدہ کا نام آتا ہے۔ مگر یہ کوئی گمنام اور مجہول عورت ہی ہے۔ اس کے حالات سربستہ راز ہیں، اندریں صورت اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ البتہ اس کے والد کے بارے میں اتنا شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی حضرت عائشہ کے غلام تھے۔ لیکن خالی شبہ یا کسی طرح کے اتنے سراغ ملنے سے ضروری نہیں ہے کہ اس کی لڑکی حمیدہ کے اساتذہ شاگردوں اور دیگر حالات جو پردہ خفا میں پڑے ہوئے ہیں اُن پر سے بھی نقاب الٹ جائے اور واشگاف طور پر ایک جانی پہچانی شخصیت بن جائیں؟ صرف والد کی غلامی کے یہ معنے تو نہیں ہو سکتے کہ تنہا اس کی گواہی اس قابل تسلیم کرلی جائے کہ گمشدہ جعلی آیت حقیقت میں بھی — قرآنی آیت ہی تھی؟

کیا آیۂ رجم کے بارے میں فاروق اعظم جیسے معروف ثقہ اور باعتماد خلیفہ کی تنہا گواہی آیۂ رجم کو وحی قرآنی ثابت کرنے کے لئے غیر کافی سمجھ کر اس حقیقت کا اظہار نہیں کیا گیا کہ آیات قرآنی کے اثبات اور نفی کے بارے میں فردی وجدان اور ذاتی ادراک کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وحی الٰہی سرتاسر نور ہے۔ اس کا داخل اور ظاہر اس کے روشن ہونے پر گواہ ہے۔ یہ اپنے وجود کے لئے کسی خارجی سہارے کی محتاج نہیں ہے تاہم عبرت کی خاطر ماننا چاہیئے کہ وسلموا تسلیما، کے بعد والے ٹکڑے کو گمشدہ قرآنی آیت ثابت کرنے والے واقعی معصوم، پاکباز اور اس قابل ہوں گے، کہ ذات باری عز اسمہٗ اور ارض وسمار کے فرشتے اپنی تمام مصروفیتوں کو ختم کر کے ان قرآن سازوں پر درود وسلام پڑھتے رہیں —؟ حیف ہے اس مسلمانی پر اور حیف ہے قرآن کے بارے میں اتنی مسخ شدہ ذہنیت پر —!!

کچھ اَور سورتیں

"البرہان" میں زرکشی اور "الاتقان" میں سیوطی نے مزید گمشدہ دو اور سورتوں کی نشاندہی بھی کی ہے اور امام ابوالحسن احمد بن جعفر المنادی (Munadi م ۳۴۷ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ کہتے تھے:

> قرآن میں جن سورتوں کی رسم "مرفوع" اور سینوں میں محفوظ ہوگئیں ان میں سورۃ "قنوت" اور سورۃ "وتر" بھی ہے یا مفسروں کی زبان میں سورۃ "الخلع" اور "سورہ الحفد" کے نام سے موسوم کیجئے ولا اختلاف بین الماضین والغابرین فی انهما مکتوبتان فی المصاحف المنسوبة الی ابی بن کعب وانه ذکر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه اقرأه ایاهما. اور متاخرین اور متقدمین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورۃ خلع اور سورۃ حفد۔ ابی ابن کعب کے مصاحف میں موجود تھیں اور یہ وہی سورتیں تھیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کو تعلیم اور تلاوت کرائی تھیں
>
> (البرھان طبع حلبی قاہرہ جلد ۲/۳۷/۵ تا ۸)

گمشدہ آیات کا مجموعی میزانیہ

مفسرین اور فقہا نے برسوں کی جانکاہی اور دماغ سوزی کے نتیجہ میں جن گمشدہ آیات کا سراغ لگایا ہے ذیل کے جدول سے ان کی تعداد کچھ اس طرح بنتی ہے ۔

کیفیت	آیتوں کی تعداد
سورۂ احزاب ہیں گم ہونے یا عہد عثمان میں ضائع کیے جانے والی آیات	۲۰۰
براءۃ جتنا کامل سورہ	۱۳۰
سورۂ الخلع	۱۲
سورۂ الحفدہ	۶
آیۂ رضاعت	۱
آیۂ رجم	۱
درود والی آیۃ کا تتمہ	۱
بلغوا عنا قومنا ۔ والی آیت	۱
لوکان لابن آدم وادیان ۔ والی دو آیتیں	۲
سلیمان بن ارقم والی روایت کی دو سورتوں کی آیتیں	تعداد لامعلوم
میزان	۳۵۴

ان کے علاوہ منسوخ کی تیسری قسم جس کے بارے میں ناسخین قرآن تصریح کرچکے ہیں کہ اس کے الفاظ تو "رسماً اور تلاوتاً" قرآن پاک میں موجود رہیں لیکن ان کا حکم کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اجماع امت یا پھر قیاس کے ذریعہ منسوخ ہوچکا ہے ایسی آیات کی تعداد ۲۰۱ ہے ۔ یہ تعین اگرچہ مفسرین کے استقراء کو غلط ثابت کرتا ہے تاہم غمازہے کہ دو سو ۔ پر تو یہ متفق ہی پائے جاتے تھے ۔ اب اس تعداد کو ۳۵۴ سے ملا لیجئے تو مجموعی ٹوٹل ۵۵۵ بنتا ہے ۔ یہ تعداد اس میزان سے کم ہے جو گم شدہ اور موجودہ قرآن میں پائی جاتی ہیں بلکہ یہ ہماری محتاط استقراء کی رو سے موجودہ قرآن میں ۳۱۱ بالتفصیل اور ۴ آیتیں ضمنی طور پر منسوخ دکھلائی گئی ہیں ۔ یہ علاوہ اس تعداد کے جو ناسخ و منسوخ کے مصنفین نے علی الحساب منسوخ آیتوں کی "ہم موضوع" آیات کو منسوخ کرنے کا عام معیار مقرر کرکے سلسلۂ نسخ کو زیادہ سے زیادہ پھیلا رکھا ہے ۔

ان تفاصیل کو سامنے رکھ کر ایک بار مجموعی میزانیہ ملاحظہ ہو

۱ ۔ قرآن سے باہر کی آیتیں ــــــــ	۳۵۵	میزان = ۶۷۰
۲ ۔ قرآن کے اندر کی آیتیں ــــــــ	۳۱۵	

(۱) یہ تمام وہی آیات ہیں جن میں "انشاء" اور "امر" کے صیغے استعمال کیے گئے تھے یعنی جن میں احکام الٰہی بیان ہوئے تھے ۔

۲۴۷ ـــ مکتبۃ المکرمہ ۶۲

ترتیبِ نزول

قرآن پاک میں ناسخ و منسوخ کا وجود تسلیم کر لینے کے بعد یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ تاریخی لحاظ سے ناسخ پہلے ہے یا بعد میں؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے قرآن پاک کے بارے میں ایک مسلمہ حقیقت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ

اس کی موجودہ "تدوینی" ترتیب لوحِ محفوظ کی "ترتیب" کے عین مطابق ہے۔

لیکن آیتوں کا نزول دفعتاً (یکبارگی) نہیں ہوا بلکہ جیسے جیسے مسائل اور ضرورتیں نمودار ہوتی گئیں اسی مقدار سے آیات کا نزول ہوتا رہا۔ اب یہ واقعات ہمارے اعتبار سے اگرچہ نئے پیدا ہونے والے تھے مگر علم الٰہی میں پہلے ہی سے محفوظ تھے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ترتیب لوحِ محفوظ کی ترتیب کے مطابق کیسے ہو سکتی ہے؟ ہاں واقعات کے اعتبار سے آیات کا نزول جیسے بھی ہو محدثین اور علمائے تفسیر نے "مکی" اور "مدنی" آیات اور سورتوں کے تاریخی تعین کے لئے چند ایک قواعد اور ضوابط ضرور لکھ ڈالے ہیں جو تمام تر نظرِ ثانی کے محتاج ہونے کے باوصف مجموعی حیثیت سے گوارا اور قابلِ فہم ہیں، اور نزولی ترتیب کو سامنے رکھ کر۔ اٹکل کے طور پر۔ یہ معلوم کر لیا جا سکتا ہے کہ جن علماء نے منسوخ کے لئے نقلاً اور ناسخ کے لئے "تاخیر" کی شرط عاید کر رکھی ہے ان کے معیار کے مطابق مزعومہ منسوخ آیات کی نزولی پوزیشن کیا ہے؟ — اور بس — اور جہاں تک حقائق اور عقیدے کا تعلق ہے تو ہمارا ایمان ہے کہ —

موجودہ قرآن کی "تدوینی" ترتیب انسانی قدرت، بساط اور دسترس کی مرہونِ منت نہیں ہے یہ "توقیفی" ہے۔ یعنی جبرئیل کی رہنمائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی یہی ترتیب رکھی۔ اس میں "رخصت" کو ذرہ بھر دخل نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو فضائل القرآن ابن کثیر طبع مصر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۴ وغیرہ)

پس جس طرح ہمارا یہ ایمان ہے کہ موجودہ قرآن محفوظ اور اس کی ترتیب "توقیفی" ہے اسی طرح یہ بھی ایمان ہے کہ سورتیں مکی ہوں یا مدنی ان کی کوئی بھی آیت حکم کے لحاظ سے کسی دور اور زمانے کی پابند نہیں ہے آزاد بالکل آزاد ہے۔ ان کا ہر حکم ناطق العصر اور ہر فرمان تقاضائے وقت کی نو بہ نو تکمیل ہے۔ جی ہاں ان کا ہر حکم "تازہ امر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ نہ تو اس میں نسخ واقع ہو سکتا ہے اور نہ ہی ابطال کے ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ سب ہمارے ذہن کی کجی، دماغ کا فتور، اور آخر میں سمجھ کا پھیر ہے۔

اس وضاحت کے بعد بحث کی خاطر ہم تسلیم کئے دیتے ہیں کہ اگر ترتیبِ نزول یا تاریخ نزول ہی سے اپنا معاملہ ہم نے طے کرنا ہے تو اتمامِ حجت کے طور پر یہ بھی گوارا ہے اور اس کے لئے پہلے ذیل کی تقسیم اور بعد میں ترتیب ملاحظہ ہو۔ اس تقسیم سے مکی اور مدنی سورتوں کا تخمینہ کی حد تک تاریخی "نزولِ ترتیب" کا پتہ لگ سکتا ہے، لیکن بحث کی خاطر اس اعتراف کے باوجود ہمارا ایمان ہے کہ

کتاب اللہ اپنے "مدلول" اور معانی، مفہوم اور مطالب میں ان فرضی قیود، خود ایجاد حد بندی اور تخمینی تاریخ کا پابند نہیں ہے، وہ سراپا نور ہے، بے قید ہدایت ہے، مستقل ضابطۂ حیات اور درخشاں اصولِ ہدایت ہے واللہ علیٰ ما نقول وکیل۔

— لیجئے اب سورتوں کے نزولی ترتیب ملاحظہ ہو۔

مکی سورتیں

مکہ مکرمہ کے تنزیلی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ذیل کی ترتیب سے سورتوں کا نزول ہوا۔ پہلے اقرأ باسم ربک الذی خلق، پھر نٓ والقلم، پھر مزمل، پھر مدثر، پھر تبت یدا ابی لہب، پھر اذا الشمس کورت، پھر سبح اسم ربک الاعلیٰ، پھر واللیل اذا یغشیٰ، پھر والفجر، پھر والضحیٰ، پھر الم نشرح، پھر والعصر، پھر والعادیات، پھر الکوثر، پھر الھٰکم التکاثر، پھر ارأیت الذی یکذب، پھر الکفرون، پھر الفیل، پھر قل ھو اللہ، پھر النجم، پھر عبس، پھر القدر، پھر البروج والتین، پھر القریش، پھر القارعۃ، پھر القیامۃ، پھر الھمزہ، پھر المرسلات، پھر قٓ، پھر البلد الطارق، پھر اقتربت الساعۃ، پھر صٓ، پھر الاعراف، پھر الجن، پھر یٰسٓ، پھر الفرقان، پھر فاطر، پھر مریم، پھر طٰہٰ، پھر الواقعۃ، پھر الشعراء، پھر النمل، پھر القصص، پھر اسراء، پھر یونس، پھر ھود، پھر یوسف، پھر حجر، پھر الانعام۔ الصافات۔ لقمان۔ سبا۔ الزمر۔ المؤمن۔ السجدہ۔ حٰمٓ عسٓقٓ ۔ الزخرف ۔ الدخان ۔ الجاثیۃ ۔ الاحقاف، الذاریات، الغاشیۃ ؛ الکھف ۔ النحل ؛ نوح ؛ ابراھیم ؛ الانبیاء ؛ قد افلح ؛ المومنون۔ تنزیل السجدہ ؛ الطور ؛ الملک ؛ الحاقۃ ؛ سأل سائل ؛ عم یتساءلون ؛ النازعات ؛ اذا السماء انفطرت اذا السماء انشقت ؛ الروم ؛ اور العنکبوت۔

مذکورہ بالا سورتوں کی تاریخی ترتیب پر قریب قریب ائمہ تفسیر متفق اور یک رائے ہیں۔ تاہم یہ اختلاف موجود ہے کہ آخری سورہ کون سی ہے؟ ابن عباس فرماتے ہیں کہ عنکبوت ہے۔ ضحاک اور عطاؒ کہتے ہیں کہ **المؤمنون** ہے، اور مجاہد کی رائے یہ ہے کہ **المطففین** ہے۔ یہ تھا قرآن مجید کا وہ حصہ جو بتصریح حفاظ و ائمہ تفسیر مکۃ المکرمہ میں نازل ہوا جس کی مجموعی سورتیں ۸۳ ہیں۔

مدنی سورتیں

مدینۃ المنورہ میں اکتیس۳۱ سورتیں نازل ہوئیں اور غالب گمان یہ ہے کہ ان کی نزولی ترتیب میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔ یعنے پہلے سورۃ بقرہ نازل ہوئی، پھر الانفال، پھر آل عمران، پھر الاحزاب، پھر الممتحنۃ، پھر النساء، پھر اذا زلزلت الارض، پھر الحدید، پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) الرعد، الرحمان۔ الدھر۔ الطلاق ؛ لم یکن ؛ الحشر ؛ الفلق، الناس ؛ اذا جاء نصر اللہ ؛ النور ؛ الحج المنافقون ؛ المجادلۃ ؛ الحجرات ؛ التحریم ؛ الصف ؛ الجمعۃ ؛ التغابن ؛ الفتح ؛ التوبہ اور المائدۃ۔

(ماخوذ از "نظرات فی القرآن" للشیخ محمد الغزالی طبع دوم مصر ص۲۵۸ و ص۲۵۹)

ناسخ و منسوخ کے موضوع پر تصانیف

اس موضوع پر بعض حضرات نے ضمناً بحث کی ہے اور بعض نے مستقل تصانیف کی صورت دی ہیں۔ اس کے علاوہ اصول فقہ کی مروّجہ کتابوں میں باقاعدہ اس موضوع کے لئے ایک باب بھی مخصوص کر دیا گیا ہے۔ قدیم اصولیوں میں سے آمدی، غزالی، ابو عبد اللہ بن حزم اور تفتازانی نے اس نظریئے کی تائید میں طبع آزمائی کی اور ان کے اتباع میں متأخر اصولیوں نے بھی

بہت کچھ لکھا ہے۔ اسی طرح تمام مفسّروں کو جہاں کہیں کسی آیت کے بارے میں شک گذرا اسے منسوخ کرنے کے لئے قلم کی جولانیاں دکھلانی شروع کیں اور اپنے عقیدے کے اثبات میں (بزعم خویش) مضبوط سے مضبوط دلائل فراہم کر دئے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مبالغہ سے نسخ ڈھونڈ نکالے اور کسی نے مناسب حد تک معاف کسی نے نہیں کیا الا ماشاء اللہ

اب ہم ذیل میں ان تصانیف کی نشاندہی کر رہے ہیں جن کو اس موضوع پر لکھے جانے کی وجہ سے خاصی شہرت نصیب ہوئی ہے اور ان میں سے بعض وہ مستقل تصانیف بھی ہیں جن کا راقم الحروف نے حرف بہ حرف جواب بھی لکھا ہے۔ مثلاً

۱۔ **الایجاز فی معرفۃ ما فی القرآن من منسوخ وناسخ**۔ مصنفہ ابن علی سعیدی، نحوی۔ یہ رسالہ مصر کے "دار الکتب" کے شعبۂ مخطوطات میں زیر نمبر ۱۰۸۸ محفوظ ہے۔ نیز اسی ہی لائبریری میں ایک اور نسخہ فوٹو گرافی کے ذریعہ محفوظ ہے جس کا نمبر ۱۰۷۵ ہے۔

۲۔ **الناسخ والمنسوخ**۔ مصنفہ ابو عبداللہ محمد بن حزم۔ یہ کتاب تفسیر جلالین طبع مصر کی دوسری جلد کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہے۔ کتاب ہذا کا دوسرا باب اسی کے رد میں حاضر ہے۔ یہ ابن حزم اندلس کے مشہور ظاہری مجتہد ابو محمد علی بن حزم نہیں ہیں۔ ان کا کنیہ ابو عبداللہ اور نام محمد ہے اور ان کا ابو محمد اور نام علی ہے۔

۳۔ **الاعتبار**۔ مصنفہ حافظ ابو بکر بن محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم عرف حازمی (متوفی ۵۸۴ھ) طبع منیر دمشقی قاہرہ و دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

۴۔ **الناسخ والمنسوخ من القرآن الکریم**۔ مصنفہ حافظ ابو جعفر محمد بن اسمٰعیل، الصفار نحوی، عرف ابن النحاس۔ یہ ایک باسند اور با تفصیل کتاب ہے اور کتاب ہذا کے دوسرے باب میں طبع قاہرہ ۱۳۵۷ھ کا تفصیلی جواب پیش کیا گیا ہے۔ ابن النحاس قدیم مصنفوں میں سے تھے جنہوں نے تفصیل سے اس موضوع پر لکھا ہے۔ آپ نے خرابئ دماغ کے باعث ۳۳۸ھ میں دریائے نیل میں چھلانگ لگا کر خودکشی کی تھی۔

۵۔ **الموجز فی الناسخ والمنسوخ** (طبع قاہرہ) مصنفہ حافظ مظفر بن الحسین بن زید بن علی بن خزیمہ یہ ایک اجمالی فہرست ہے ان آیات شریفہ کی جو ان لوگوں کے بقول منسوخ قرار دی جا چکی ہیں۔ دوسرے باب میں ضمناً اس کا جواب بھی دیا گیا ہے

۶۔ **قلائد المرجان فی الناسخ والمنسوخ من القرآن**۔ للشیخ مرعی بن یوسف الحنبلی۔ المقدسی (متوفی ۱۰۳۴ھ) قلمی نسخہ۔ دار الکتب محفوظ زیر نمبر ۲۳۰۵۱ھ۔

۷۔ **الناسخ والمنسوخ**۔ مصنفہ امام و محدث ابو الحسین احمد بن جعفر المنادی (متوفی ۳۳۵ھ)

۸۔ **الناسخ والمنسوخ**۔ مصنفہ ابو القاسم ہبۃ اللہ بن سلامہ عرف ابو النصر ضریر (متوفی ۴۱۰ھ) طبع مصطفیٰ حلبی قاہرہ۔

مصنف نے اس کتاب میں منسوخ آیات کی دل کھول کر خبر لی ہے۔ لیکن اتنی کاوش کے باوصف آپ نے بسا اوقات اتنے ابہام اور اجمال سے ناسخ آیات کی نشاندہی کی ہے جو کافی دشواری کے بعد سمجھ میں آسکی ہیں۔

راقم الحروف نے اس کتاب کا بطور خاص ترکی بہ ترکی جواب عرض کر دیا ہے اور وجہ تنسیخ کے عنوان سے ضریر (نابینا) کے ابہامات کو اصلی روپ میں دکھلایا گیا ہے۔

۹ ۔ ۱۲ } ابو عبید القاسم بن سلام۔ ابن الانباری۔ مکی اور ابن العربی وغیرہ (بحوالہ "الاتقان")

وبنعمتہ تتم الصالحات

- تاریخ تدوین:

جولائی ۱۹۶۲ء ۔ مکۃ المکرمہ

- باب اول پر نظر ثانی:

افغانستان کے تاریخی شہر ہرات میں
شب آدینہ تاریخ ۹½ کو رات کے گیارہ بجے
عمل میں آئی۔
اوّل

- نقل ثانی

پاکستان کے تاریخی شہر ملتان میں
شب آدینہ تاریخ ۱۳½ کو رات کے گیارہ بجے
اختتام پذیر ہوئی۔
وَللہ الحمد!